www.novelsclubb.com

میری تکمیل ہو تم

(ڈائجسٹ ناول)

ناولز کلب

از قلم وریال خان

:novelsclubb :read with laiba 03257121842

وریال خان

مکمل ناول

میری تکمیل ہو تم

''مشال بیٹا! کل رات اسلام آباد سے فون آیا تھا۔ تمہاری پھوپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے میں

کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔" وہ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے۔ جب وقار ہمدانی نے اسے اپنے جانے کی اطلاع دی۔

"کیا ہوا ہے پاپا پھوپھو کو اور آپ نے مجھے رات میں کیوں نہیں بتایا؟" تشویش بھرے انداز میں ناشتہ چھوڑ کر وہ وقار ہمدانی سے ان کی طبیعت کے بارے میں دریافت کر رہی تھی۔

"بیٹا! اتنی بھی پریشانی والی بات نہیں۔ بس تھوڑا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔ مجھے پتا تھا تم نے ایسے ہی پریشان ہونا ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں رات میں نہیں بتایا۔"

وہ اپنی بیٹی کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ چکے تھے۔ اکلوتی بہن سے تو انہیں بھی شدید محبت تھی مگر مشال میں تو ان کی جان تھی۔ اس لیے وہ ہمیشہ سے ان کے لیے ایسے ہی پریشان ہو جاتی تھی۔ اب بھی وقار ہمدانی کے بتانے پر وہ ان سے ملنے کو بے چین ہو گئی۔

"پاپا! میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔" ناشتے کو بالکل نظر انداز کر کے وہ اب ساتھ جانے کی ضد کر رہی تھی۔

"مشال! آپ کو پتہ ہے ناں کہ آپ کے پیپرز اسٹارٹ ہونے والے ہیں۔ بہت حرج ہوگا آپ کی پڑھائی کا۔ ویسے بھی بیٹا میرا کچھ پتہ نہیں مجھے وہاں کتنے دن لگ جائیں۔ اس لیے آپ صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دیں اور ہاں سالار سے میں نے کہہ دیا ہے وہ تمہیں یونیورسٹی چھوڑ دیا کرے گا۔" پاپا کی آخری بات پر وہ تپ کر رہ گئی ایک تو ساتھ نہ جانے کا دکھ اوپر سے یہ نیا دھماکہ۔

"پاپا! میں نہیں جاؤں گی ان کے ساتھ۔ ایک تو اتنی تیز ڈرائیونگ کرتے ہیں کہ موت کا گمان ہونے لگتا ہے ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اور اوپر سے ڈانٹتے بھی ہیں۔" وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولی۔

"دیکھو مشال! تمہیں پتا ہے ناں کہ کتنے ٹف امتحانات کی تیاری کر رہا ہے وہ آج کل۔ سی ایس ایس کا امتحان دینا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر اس نے یہ ذمہ داری قبول کی ہے تو اس کا احسان سمجھو مجھے تمہاری طرف سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ملے۔"

وقار ہمدانی بیٹی کی فطرت سے واقف تھے۔ جانتے تھے کہ یہ صرف سالار کے ساتھ نہ جانے کے بہانے ہیں اس کے۔ اس لیے قدرے سختی سے بولے۔

"پاپا! آپ کو تو ہمیشہ اپنی بیٹی ہی غلط نظر آتی ہے۔ ان کو تو آپ کچھ بھی نہیں کہتے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"دیکھو بیٹا! میرے لیے تم دونوں ایک جیسے ہو۔ جیسا سالار ہے ویسی ہی تم ہو۔ اگر وہ تمہیں ڈانٹتا ہے تو بیٹا تمہارے بھلے کے لیے ایسا کرتا ہے تم بھی تو اسے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہو۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اب کی بار مجھے شکایت نہ ملے ٹھیک ہے۔" وہ اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولے۔

"جی پاپا!" سر جھکائے وہ ہولے سے بولی تو وقار ہمدانی مسکرا دیے۔

"کہہ دوں گا سالار سے۔ زیادہ نہ ڈانٹے میری بیٹی کو۔ اب تو مسکرا دو۔ پتہ ہے ناں کہ یوں منہ بناتی بالکل اچھی نہیں لگتی ہو پاپا کو۔ چلو شاباش چیئر اپ مسکرا دو جلدی سے۔" وقار ہمدانی کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی کہ اپنے جان سے پیارے پاپا کی ناراضگی وہ کسی صورت مول نہیں لے سکتی تھی۔

☆☆

"کتنے دن ہو گئے ہیں بیٹا تمہارے پاپا کو گئے ہوئے؟" شہزینہ کے ساتھ وہ مسلسل باتوں میں مصروف

تھی۔ جب زبیر احمد نے پوچھا۔

"ایک ہفتہ تو ہو گیا ہے زبیر ماموں! پھوپھو کی طبیعت ابھی صحیح سے بہتر نہیں ہوئی۔ پاپا کہہ رہے تھے کہ وہ مزید کچھ دن وہیں رہیں گے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"ایک تو مجھے تمہارے باپ کی سمجھ نہیں آتی۔ جب اپنے موجود ہیں تو تمہیں وہاں اکیلے غیر مرد کے ساتھ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ جانتے ہیں تمہارے باپ نے اسے پڑھایا' لکھایا' سہارا دیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنکھیں بند کر کے اندھا دھند اس پر اعتبار کر لیا جائے۔ تم ایسا کرو جب تک تمہارا باپ واپس نہیں آ جاتا اس وقت تک یہاں آ جاؤ۔" زبیر احمد نے اس سے کہا تو ان کی باتوں کا مفہوم سمجھتے ہی وہ اندر تک سلگ گئی۔

"زبیر ماموں! آپ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں۔ پاپا پہلے بھی تو اس طرح جاتے رہتے ہیں آپ نے پہلے تو کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔" شدت جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی۔

"پہلے کی بات، اور تھی مشال! مگر اب آپ لوگ بڑے ہو گئے ہو۔ لوگ باتیں بناتے ہیں اس طرح اکیلے رہنے پر اور بیٹا ابھی جو آپ نے کہا کہ وہ ایسا نہیں ہے تو میری جان کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا مگر جب شیطان بہکانے پر آ جائے تو اچھے اچھوں کی فطرت بدل دیتا ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہاں آ جاؤ۔ اگر تمہیں کالج آنے جانے کا مسئلہ ہے تو ٹونی ہے ناں' چھوڑ آیا کرے گا وہ تمہیں۔"

وہ بولے چلے جا رہے تھے اور ان کی باتیں مشال کے حواس معطل کر رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ بھی اس سے اس طرح کی بات کریں گے۔

"پاپا! ٹھیک کہہ رہے ہیں مشال! جب تک وقار انکل واپس نہیں آ جاتے تم یہاں آ جاؤ ہمارے پاس۔" شہزینہ نے بھی اسے کھلے دل سے آفر کی۔ اسی دوران اس کا موبائل بجا اور وہ معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پوچھوں گی پاپا سے اگر انہوں نے اجازت دے دی تو......" اس نے ساری بات پاپا پر چھوڑ دی۔

"تمہارا باپ تو اول درجے کا بے وقوف ہے۔ کورا ہے بالکل دماغ کا' اسے ان باتوں کا کیا پتہ' اسے تو بس نیکیاں کمانے کا شوق ہے۔ چاہے نقصان اس میں اپنا ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔ پہلے باپ کی جی حضوری کرتا رہا۔ پھر بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ اب یہ حال ہے کہ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں پر اعتبار کرنے لگا ہے تمہارا باپ' دکھ تو ہوتا ہے بیٹا جب سگی بھانجی مہینوں شکل نہ دکھائے۔ میں جانتا ہوں اسے' وہی منع کرتا ہے تمہیں یہاں آنے سے وہ تو کبھی نہیں چاہے گا کہ تم یہاں آ کر رہو۔"

وہ طنزیہ بولے چلے جا رہے تھے۔ زبیر احمد کا اس کے باپ کی اس طرح سے کھلم کھلا برائی کرنا اسے بے حد برا لگا۔ اسی لیے تو وہ یہاں کم ہی آتی۔ کبھی آ بھی جاتی تو شہزینہ اور ٹونی کی وجہ سے۔ ورنہ اس طرح کی باتوں سے اس کا دل گھبرا اٹھتا۔ جانتی بھی تھی کہ وہ ہمیشہ اسی طرح سے پاپا کے خلاف شکایتوں کا انبار اکٹھا کیے ہوتے ہیں۔ اس کے یہاں آتے ہی وہ فوراً ... اپنی شکایتوں کی پوٹلی کھول دیتے۔ ان کی انہی باتوں سے جان چھڑانے کے لیے وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے...... تم کہاں چل دیں۔ ان کا تو اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں بچی اتنے دنوں بعد آئی ہے۔ آپ نے پھر وہی فضول باتیں کرنا شروع کر دی ہیں۔ اب یہ اکتائے نہ تو اور کیا کرے۔ مشال بیٹا تم بیٹھو کھانا کھا کر جانا ٹونی چھوڑ آئے گا تمہیں۔" عالیہ نے اسے اٹھتے دیکھا تو کچن سے بھاگتی چلی آئیں۔

''نہیں مامی! میں اب چلوں گی۔ پاپا کا فون بھی آنا ہے اور مجھے کچھ نوٹس بھی تیار کرنے ہیں۔ میں پھر کبھی آجاؤں گی مگر اس وقت نہیں۔'' اس نے جواز پیش کیا۔ اس دوران سالار کمرے میں داخل ہوا تو وہ فوراً سے پیشتر اس کے ساتھ چل دی۔

''اچھا بیٹا آنا ضرور! اپنے ماموں کی باتوں کا برا مت ماننا۔ ان کی عادت ہی ایسی ہے۔ آج تو میں نے ایسے ہی چھوڑ دیا ہے اگلی بار آؤ گی تو پورا ہفتہ رکھوں گی تمہیں اپنے پاس کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گی۔'' عالیہ نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ جی اچھا کہہ کر باہر آ گئی۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو مشال کو یہ سب کہنے کی؟ پتہ بھی ہے اپنے باپ کے خلاف کوئی بات نہیں سنتی ہے وہ۔ پھر وہی باتیں دہرانا شروع کر دیتے ہیں اگر یہی صورت حال رہی ناں تو یہ سونے کی چڑیا بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ کچھ نہیں ہاتھ آئے گا۔ ہاتھ ملتے رہیے گا پھر آپ۔'' ان کے جاتے ہی عالیہ بیگم نے شوہر کی کلاس لینا شروع کر دی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سونے کی چڑیا پہلے بھی ہماری تھی اور اب بھی ہماری ہے۔'' زبیر وارثی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولے۔

''مجھے تو سالار کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ سی ایس ایس کے بعد وہ پولیس لائن جوائن کرلے گا اگر اسے سب پتہ چل گیا تو......''

''تم تو صدا کی ڈرپوک ہو۔ اتنی پرانی بات ہو چکی ہے وہ دوبارہ سے گڑے مردے اکھاڑ کر کیا ملے گا اسے اگر ایسا ہو بھی گیا تو ہم پر شک نہیں کر سکے گا وہ۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں ٹونی آئے تو اسے بھیجنا میرے کمرے میں بہت آوارہ گردی کرنے لگا ہے وہ آج کل۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کمرے کی جانب چل دیئے۔

☆☆

''سالار بیٹا! کھانا لگواؤں آپ کے لیے؟''

رائٹنگ ٹیبل پر جھکا وہ کچھ ضروری نوٹس بنانے میں مشغول تھا۔ جب رحمان بابا کی آواز اسے سنائی دی جو اس سے کھانے کا پوچھ رہے تھے۔

''نہیں بابا! ابھی بھوک نہیں ہے آپ آرام کریں مجھے بھوک لگے گی تو میں خود ہی نکال لوں گا۔'' بہت ضروری نوٹس جو آج اسے ہر حال میں مکمل کرنا تھے اس دوران اس نے اٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے معذرت کرلی۔

''کیا بات ہے سالار بیٹا! آپ کو بھی بھوک نہیں۔ مشال بٹیا نے بھی کھانا نہیں کھایا کوئی بات ہوئی ہے کیا؟'' بابا نے بتایا تو وہ کام وہیں چھوڑ کر ان کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''مشال نے کھانا کیوں نہیں کھایا بابا؟'' تشویش بھرے انداز میں وہ ان سے مخاطب تھا۔

''پتہ نہیں بیٹا! جب سے ادھر سے آئی ہے۔ اس وقت سے کمرے میں بند ہے۔ بڑے صاحب کا فون آیا تو مسلسل روئے چلی جا رہی تھیں کہ واپس آجائیں اب کھانے کا پوچھا ہے تو کہتی ہیں مجھے بھوک نہیں۔ مجھے ڈسٹرب مت کریں۔ مجھے تو لگتا ہے یہ جو ان کے زبیر ماموں ہیں وہی الٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ پتہ نہیں کیا کیا خرافات ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں اسی لیے تو ہمیشہ پریشان ہی واپس آتی

ہیں وہاں سے مگر اب کی بار تو بہت ڈسٹرب ہیں مشال بی بی اتنا روئی بھی ہیں۔'' بابا نے اسے تفصیل بتائی۔

وہ بے حد ڈسٹرب ہے یہ بات تو سالار نے بھی نوٹ کی تھی۔ گاڑی میں بھی تمام راستہ خاموشی سے کٹا۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا صبح جب وہ اسے یہاں چھوڑ کر گیا تو رستے میں اس کی تیز ڈرائیونگ کے باعث لڑتی آئی تھی۔ اس کے ساتھ مگر اب سالار کے ایک آدھ سوال پر بھی بڑا غائب دماغی سے جواب آیا تھا اس کی طرف سے۔ بابا کی زبانی اسے پتہ چلا کر وہ روتی رہی ہے تو وہ پریشان ہوگیا۔

''کیا بات ہو سکتی ہے؟''

''ٹھیک ہے بابا! آپ جا کر آرام کریں میں دیکھتا ہوں کیا مسئلہ ہے؟''

بابا کو بھیج کر وہ اب مشال کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ دو تین بار دستک دینے پر دروازہ نہ کھلا تو اس نے دروازے کی ناب گھمائی ہلکے سے کھٹکے پر دروازہ کھل گیا۔ پورا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔

مشال دونوں بازوؤں میں سر دیئے انہیں گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سالار پر نظر پڑتے ہی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے اور سیدھی ہوگئی۔ سالار چلتا ہوا اس کی جانب بڑھا اور بیڈ کے ایک سائیڈ پر پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' اس نے پوچھا۔

''بھوک نہیں ہے مجھے۔''

''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ کیوں بھوک نہیں ہے؟''

وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ریلیکس انداز میں بیٹھا اس سے پوچھ رہا تھا۔ جیسے سب کچھ جانے بنا آسانی سے ٹلنے والا نہیں۔ پریشانی البتہ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ مشال نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہنوز اسی حالت میں سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''مشال! اینی پرابلم، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟'' سالار کے اس سوال پر بھی دوسری جانب مسلسل خاموشی چھائی رہی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں آئے آنسو جنہیں وہ باہر لانے سے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی سالار سے چھپے نہ رہ سکے۔

''دیکھیں مشال! میرا آپ سے کوئی خونی رشتہ نہیں اور نہ ہی میں آپ سے یہ کہوں گا کہ میں آپ کا بہترین دوست ہوں، جس سے آپ اپنا مسئلہ شیئر کریں مگر مشال میں ایک عرصے سے یہاں آپ لوگوں کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ اس گھر کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے بھی باخبر ہوں میں۔ اس گھر کی تمام خوشیاں اور غم آپ کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی تو وابستہ ہیں آپ کی خوشیوں سے میرا وجود قائم ہے۔ اگر آپ پر یا اس گھر پر کوئی تکلیف کا لمحہ آتا ہے تو وہ لمحات میرے لیے بھی بے حد اذیت ناک ہوں گے۔ اس ناطے سے اگر آپ اپنا مسئلہ مجھ سے شیئر کریں گی تو مجھے خوشی ہوگی۔ ویسے بھی مشال مسائل شیئر کرنے سے کم ہوتے ہیں اگر آپ انہیں خود اپنی ذات تک محدود کرلیں تو سوائے پریشانی اور ڈسٹربنس کے آپ کو کچھ نہیں دے سکیں گے۔''

سالار کے نرم لہجے پر اس نے ضبط کے تمام بندھن توڑ دیئے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان اس نے اپنی اور زبیر احمد کے درمیان ہونے والی گفتگو اسے بتا دی۔ اس وقت شاید وہ اسی سہارے کی تلاش میں تھی۔

اس کے آنسوؤں سے اگرچہ وہ بے حد ڈسٹرب ہو رہا تھا مگر سالار نے اسے رونے دیا۔ چند لمحوں بعد جب وہ کھل کر رو چکی تو سالار نے اسے متوجہ کیا۔

''اگر آپ دل کا بوجھ ہلکا کر چکی ہوں تو میں کچھ کہوں۔ میرے خیال میں انہوں نے جو کچھ کہا ایک لحاظ سے وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' اس کی بات پر مشال نے گردن اوپر اٹھائی اور چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''آپ اور میں ایک دوسرے کے لیے بالکل نامحرم ہیں مشال! آپ کے اور میرے اس طرح وقار انکل کی غیر موجودگی میں رہنے پر کوئی بھی اعتراض کر سکتا ہے۔ اس لیے اگر آپ چاہیں تو وقار انکل کے آنے تک وہاں رہ سکتی ہیں۔ میں فون کر کے آپ کے وہاں جانے کا بتا دوں گا ان کو۔'' سالار اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''کیوں میں کیوں جاؤں وہاں، جب پاپا کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر وہ کیوں اعتراض کر رہے ہیں اور ویسے بھی میں اپنے گھر میں ہوں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' سالار کی بات پر اسے غصہ آ گیا۔

''پھر ٹھیک ہے میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔'' سالار نے اس کے فیصلے کے پیش نظر کہا۔

''کیوں آپ کیوں جائیں گے یہاں سے؟''

''دیکھیں مشال! میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ پر وقار انکل یا اس گھر پر کوئی بات آئے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔'' کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے حتمی فیصلہ سنایا۔

''جانے سے پہلے یہ یاد رکھیے گا سالار یزدانی! لوگ چاہے آپ کے بارے میں کچھ بھی کہیں مگر اس گھر کے ایک ایک فرد کو آپ پر اعتبار ہے۔ مجھے آپ پر اعتبار ہے۔ ویسے بھی بہت مقروض ہیں آپ اس گھر کی محبتوں کے۔ یہاں سے گئے تو اکیلے نہیں جائیں گے بہت سی محبتوں کا قرض ہوگا آپ کے ساتھ۔ اس گھر کے لوگوں کا خود پر سے اعتبار کھو دیں گے آپ اتنی آسانی سے جا نہیں پائیں گے یہاں سے۔''

مشال کے کہنے پر بے اختیار اس نے اس کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ سچائی اس کی خوب صورت آنکھوں سے واضح چھلک رہی تھی۔ یہ واقعی سچ تھا کہ وہ اس گھر اور یہاں کے لوگوں کی پر خلوص اور بے لوث محبتوں کا مقروض تھا۔ چاہ کر بھی ان کا قرض اپنے کاندھوں سے اتار نہیں سکتا تھا مگر اس کی وجہ سے اس گھر پر کوئی حرف آئے یہ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھاتا وقار ہمدانی کی اچانک واپسی نے اس کے قدم روک دیئے۔

☆☆

وقار ہمدانی اور وجاہت یزدانی گہرے دوست تھے۔ دونوں کا مشترکہ کاروبار تھا۔ جسے وہ بخوبی احسن طریقے سے چلا رہے تھے۔ وقار ہمدانی کی ایک ہی بیٹی تھی مشال۔ آسیہ ہمدانی مشال کی غیر متوقع پیدائش پر بے حد خون بہہ جانے کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکیں آسیہ کی بے وقت موت نے وقار ہمدانی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ آسیہ ہمدانی اور وقار ہمدانی کی مثالی محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی کچھ عرصہ تو انہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں لگا لیکن پھر وہ مشال کے لیے دوبارہ سے جی اٹھے۔ آسیہ ہمدانی کا بھائی زبیر احمد ایک بے حد لالچی اور خود غرض انسان تھا اور بھابھی عالیہ بیگم اپنے شوہر سے مقابلے میں کچھ کم نہ تھیں۔ منہ پر میٹھی اور اندر سے زہر سے بھی کڑوی تھیں۔ اسی لیے تو آسیہ ہمدانی کی ساری زندگی ان سے بن نہ سکی۔ ان کے دو بچے تھے۔ شہرینہ اور نوید جسے سب ٹونی کہتے تھے۔ وقار ہمدانی کی ایک بہن تہمینہ تین سالہ رطابہ کے ساتھ ماڈل ٹاؤن اسلام آباد میں رہائش پذیر تھیں۔ ان کے شوہر تنویر ملک عرصہ دراز سے پیرس میں گارمنٹس فیکٹری چلا رہے تھے۔ وقار ہمدانی کو

بیوی کی موت کا جس قدر دکھ تھا۔ تہمینہ کے احساسات بھی بھائی سے کچھ مختلف نہ تھے۔ اپنی پیاری، من موہنی بھابھی سے بے پناہ محبت اور دوستی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آسیہ ہمدانی کی موت کے بعد انہوں نے مشال کو گود لینا چاہا مگر وقار ہمدانی نے ایسا نہ ہونے دیا کہ آسیہ کے بعد وہی ان کے جینے کا سہارا تھی۔

وجاہت یزدانی اپنی بیوی رابعہ اور بیٹے سالار یزدانی کے ساتھ سیٹلائٹ ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر تھے۔ وجاہت یزدانی کروڑوں کی جائیداد کے مالک تھے۔ ایک فیکٹری اپنے بیٹے سالار یزدانی کے نام سے انڈسٹریل ٹاؤن لاہور میں بڑے پیمانے پر قائم کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ بات وجاہت یزدانی کے علاوہ کسی دوسرے کے علم میں نہ تھی۔ حتیٰ کہ ان کا بے حد قریبی اور جان سے عزیز دوست وقار ہمدانی بھی اس بات سے بے خبر تھا۔ پروجیکٹ کے مکمل ہونے پر وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔

اور پھر وہ دن بھی آ گیا۔ جب انہیں سب کو سرپرائز دینا تھا۔ رابعہ اور سالار کے ساتھ وہ وقار ہمدانی کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں سے انہیں انڈسٹریل ٹاؤن پہنچنا تھا مگر راستے میں ہی چند نامعلوم افراد کی فائرنگ سے وجاہت یزدانی اور رابعہ موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ سالار اس حادثے میں معجزانہ طور پر بچ گیا۔ وجاہت یزدانی اور رابعہ کی دردناک موت جہاں وقار ہمدانی کے لیے شاکنگ تھی وہاں تیرہ سالہ سالار یزدانی کے لیے کم اذیت ناک نہیں تھی۔ اپنے ماما اور بابا کی سفید کفن میں لپٹی لاشوں کو وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے تکتا رہا۔ چند گھنٹے پہلے والے کرب ناک مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح گھوم رہے تھے۔ اتنا نا سمجھ بھی نہ تھا جو ان کی بے وقت موت کا مفہوم نہ سمجھ پاتا۔ ''یزدانی ہاؤس'' کے وسیع و عریض لان سے جب دو جنازے اٹھے تو کہرام مچ گیا۔ دونوں کی جواں مرگی پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔

وقار ہمدانی نے پاس کھڑے تیرہ سالہ معصوم سالار کو دونوں بازوؤں میں بھینچ کر گلے سے لگا لیا کہ اب وہی اس کا سہارا تھے۔ اپنے عزیز از جان دوست کو تو وہ کھو چکے تھے مگر اس کی نشانی کسی طور کھونا نہیں چاہتے تھے۔ نامعلوم قاتلوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرواتے ہی وقار ہمدانی کو سالار یزدانی کے قتل کی دھمکیاں ملنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ وجاہت یزدانی اور رابعہ یزدانی کی طرح وہ کسی نئے نقصان سے دوچار ہوتے۔ انہوں نے کیس واپس لے لیا۔ پھر سب کچھ وقت کے دھارے پر بہنے لگا۔ وقت آہستہ آہستہ پر لگا کر اڑتا چلا گیا اور اپنے پیچھے بہت سے واقعات کا نقش چھوڑ گیا۔

☆☆

''پاپا! پھوپھو کیسی ہیں اب؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' وقار ہمدانی تھوڑی دیر پہلے اسلام آباد سے گھر پہنچے تو مشال نے پہلا سوال ہی پھوپھو کے حوالے سے کیا۔

''پھوپھو کو چھوڑو یہ بتاؤ روئی کیوں تھیں تم؟'' ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھتے ہی اس کے سوال کو بالکل نظر انداز کر کے وہ غصے سے بولے۔

''وہ پاپا! آپ کی یاد آ رہی تھی۔'' آنکھوں ہی آنکھوں میں سامنے بیٹھے سالار کو اصل بات سے منع کرتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ اس حرکت پر سالار زیر لب مسکرایا۔

''غضب خدا کا جان نکال کر رکھ دی اپنے باپ کی۔ میں تو پریشان ہی ہو گیا کہ پتہ نہیں کیا ہوا ہے جو مسلسل روئے چلی جا رہی ہو۔ پھوپھو تمہاری وہاں الگ پریشان ہو رہی تھیں۔ اب فون کر دینا ان کو۔ ورنہ وہ ایسے ہی پریشان رہے گی۔'' وقار ہمدانی نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا۔

''آئی ایم سوری پاپا۔'' ان کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے معذرت کی۔

''سالار! اس نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟ دیکھو مجھ سے غلط بیانی مت کرنا۔ مجھے پتہ ہے بہت سائیڈ لیتے ہو تم اس کی۔ بچا لیتے ہو ہر بار اسے مگر اب مجھے سچ سچ بتاؤ ورنہ میں تمہیں ڈانٹنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔'' وہ اب سالار سے مخاطب تھے۔

''پاپا! کہا ہے ناں نہیں تنگ کیا۔ آپ کو اعتبار نہیں اپنی بیٹی پر؟'' سالار کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔ کہیں وہ اصل بات پاپا کو نہ بتادے۔

''تنگ کیا تھا انکل!'' مشال نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ جو اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

''انہوں نے اپنا بالکل خیال نہیں رکھا انکل کھانا ٹھیک طرح سے نہیں کھایا۔ اسٹڈیز پر دھیان نہیں دیا۔ آپ کو یاد کر کے روتی رہی ہیں۔ میرے ڈانٹنے کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مسلسل ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ پاپا سے کہیں واپس آجائیں۔'' مشال نے ایک خفگی بھری نگاہ اس پر ڈالی تو وہ مسکرا دیا۔

''مشال! کتنی بری بات ہے بیٹا' آپ چھوٹے بچے تو نہیں ہو۔ بڑے ہو گئے ہو اب' آپ نے ہمیشہ یہیں تو نہیں رہنا ناں بیٹا' جب آپ کی شادی ہو جائے گی تو پھر کیا کرو گی۔ اس وقت پاپا تو نہیں ہوں گے آپ کے ساتھ میری جان۔'' لاڈ سے اسے خود سے لگاتے ہوئے بولے۔

''پاپا! مجھے نہیں کہیں جانا۔ میں آپ کے پاس ہی رہوں گی۔'' ان کے کندھے سے لگی وہ ناراضگی سے بولی۔

''بیٹیاں تو ہوتی ہی پرائی ہیں۔ ان کو بھی کوئی اپنے پاس رکھ سکا ہے۔ ماں باپ کے گھر تو مہمان ہوتی ہیں وہ۔ تم بھی بیٹا اپنے پاپا کی مہمان ہو۔'' اس کے دونوں ہاتھوں کو پیار کرتے ہوئے وہ دکھ سے بولے۔ اپنی بیٹی سے جدائی کا سوچ کر ہی ان کی آنکھیں برس پڑتیں۔

''پاپا! اب آپ نے مجھ سے اس طرح کی کوئی بات کی تو میں سچ مچ ناراض ہو جاؤں گی آپ سے۔ میں اس گھر کو آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ سن لیں آپ کان کھول کر۔'' ان کے ہاتھوں کو جھٹکتی وہ غصے سے اندر کی جانب بھاگی۔

''یار! سمجھاؤ اسے پاگل پن کی باتیں نہ کرے۔''

''انکل! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اپنے مضبوط ہاتھوں سے ان کے بوڑھے کمزور ہاتھوں کو تھامے وہ بولا۔

☆☆

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جنوری کے اوائل کی یخ بستہ ٹھنڈ میں شہر کی سڑکیں بالکل سنسان اور ویران تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا لوگ موجود تھے۔ وہ بھی شاید کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت نظر آرہے تھے۔ ایسے میں وہ دبے قدموں چوروں کی طرح گھر میں داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ ہولے سے بند کیا۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں عبور کرتا راہداری میں آیا۔ شہرینہ کے کمرے سے گزر کر وہ جیسے ہی آگے بڑھا۔ اپنے باپ کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر وہیں ٹھٹھک گیا۔ اسے معلوم تھا وہ اسی کے انتظار میں جاگ رہے ہیں۔ دیر بھی تو آج کافی کر دی تھی اس نے۔ دوستوں کے ساتھ ہوٹلنگ' سنیما' گرلز کالج کے باہر لڑکیوں پر آوازیں کسنا' چھیڑ خانی' سائلنسر نکال کر موٹر سائیکل پر اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ مل کر

رات گئے تک بے مقصد سڑکوں پر گھومنا۔ آج کل تو وہ کسی طوائف زادی کا اسیر تھا۔ اس کے ساتھ ہوتا تو وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلتا۔ دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہا تھا اس پر۔

زبیر احمد بے خبر نہیں تھے۔ اس کی آوارہ گردیوں سے۔ دن میں تو خیر وہ بمشکل ہاتھ آتا۔ اس لیے آج وہ اس سے دوٹوک بات کرنے کے لیے ابھی تک جاگ رہے تھے۔

''ٹونی! یہاں آؤ میرے کمرے میں۔''

اسے چھپ کر دبے قدموں اپنے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر انہوں نے پکارا۔ باپ کے پکارنے پر مجبوراً اسے قدم ان کے کمرے کی طرف بڑھانا پڑے۔

''ٹائم دیکھا ہے تم نے' ایک بج رہا ہے۔ یہ کون سا ٹائم ہے گھر واپس آنے کا؟'' زبیر احمد نے دھاڑتے ہوئے اس سے لیٹ آنے کی وجہ پوچھی۔

''آئی ایم سوری ڈیڈ! وہ دوستوں کے ساتھ تھوڑی دیر ہو گئی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ ڈرتے ڈرتے سر جھکائے شرمندگی سے بولا۔

''آئندہ کے بچے۔'' وہ اسے مارنے لپکے تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا۔ عالیہ بیگم نے رستے میں ہی انہیں روک دیا۔

''کیا کر رہے ہیں' جوان اولاد پر ہاتھ اٹھائیں گے اب۔''

''دل تو یہی کرتا ہے کہ زندان میں گاڑ دوں اسے میں۔ لوگوں کے بچے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ایک میری اولاد ہے کام چور' نکمی' آوارہ' جسے دوستوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ کتنی بار کہا ہے وقار کی فیکٹری جائے' دیکھے وہاں کے طور طریقوں کو' تعلقات بڑھائے لوگوں کے ساتھ۔ اسے بھی کوئی زمانے کی اونچ نیچ کا پتہ چلے مگر نہیں انہیں اپنے لفنگے آوارہ دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا ہے۔ جس کام میں فائدہ ہے اس پر دھیان نہیں دینا اور یہ لڑکی کون ہے جس کے ساتھ آج کل نظر آرہا تو؟'' غصے میں چنگاڑتے ہوئے وہ اس سے اس لڑکی کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔

ان کی آخری بات پر تو وہ سن ہو گیا۔ بہت احتیاط برت رہا تھا وہ اس معاملے میں مگر وہ بھی اس کے باپ تھے اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔

''ڈیڈ! دوست ہے میری۔''

''صرف دوستی تک محدود رہنا ٹونی! اس سے آگے کی اجازت نہیں دوں گا تمہیں۔ پتہ ہے ناں کہ شادی تمہاری مشال کے ساتھ ہی ہونی ہے۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں اس لڑکی سے دوستی سے آگے کا سوچ رہے ہو تو قدم پیچھے ہٹا لو۔ میں یہ کسی صورت برداشت نہیں کروں گا کہ مشال کے علاوہ تم کسی اور کے بارے میں سوچو' اس لیے پہلے سے خبردار کر رہا ہوں۔''

''جانتا ہوں ڈیڈ! مجھے کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ آپ کا بیٹا اتنا بے وقوف نہیں کہ گھر آئی دولت کو لات مار دے۔ گیا تھا میں ان کی فیکٹری' وقار انکل نے مجھے آفر کی تھی وہاں کام کرنے کی مگر میں نے ٹھکرا دی۔ انا بھی کوئی چیز ہوتی ہے ڈیڈ' فارمیلٹی بھی تو پوری کرنا تھی ناں۔ انہوں نے مجھے کل سے فیکٹری آنے کو کہا ہے کہ جب تک مجھے کہیں جاب نہیں ملتی۔ تب تک میں وہاں کام کر سکتا ہوں۔ آپ کو تو پتہ ہے ڈیڈ جاب تو میں نے کرنی نہیں اور انہوں نے کتنا عرصہ زندہ رہنا ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن اس لیے سمجھیں فیکٹری اب ہماری۔'' ٹونی نے

ہنستے ہوئے مکارانہ لہجے میں کہا۔ تو زبیر احمد تمام غصہ بھول کر بیٹے کے سینے سے لگ گئے۔ اتنی بڑی خوش خبری کے بعد وہ کیسے اس سے ناراض رہ سکتے تھے۔

''جیو میری جان! خوش کر دیا باپ کو' آخر بیٹا کس کا ہے۔''

''دیکھا! میں نہ کہتی تھی کہ یہ اندر ہی اندر کوئی بڑا کام کر رہا ہے۔ ہمیں بتا نہیں رہا۔ پر آپ کو تو میری بات پر اعتبار ہی نہیں تھا۔ آپ تو ہمیشہ اسے ڈانٹتے ہی رہے ہیں۔ بے وقوف ہی سمجھتے رہے ہیں۔'' عالیہ نے خوشی سے اس کا گال چومتے ہوئے شوہر کو جتایا۔

''شاید میں ہی غلط تھا۔'' انہوں نے گویا ہار مانی۔

''ٹھیک ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو اور ہاں کل شہزینہ کے سسرال والے آ رہے ہیں بات پکی کرنے۔ گھر پر ہی رہنا۔ پچھلی بار بھی پوچھ رہے تھے تمہارا۔'' عالیہ بیگم نے اسے شہزینہ کے سسرال والوں کی آمد سے آگاہ کیا۔ جس پر وہ ''جی اچھا'' کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆

''یہ کیا کر رہی ہیں آپ اس وقت میرے کمرے میں؟''

وہ کافی دیر سے کپڑوں کی الماری میں گھسی نہ جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب سالار کی دھاڑتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ہاتھوں میں پکڑی کتاب اور نوٹ بک دھڑام سے نیچے گریں اور فرش پر بکھر گئیں۔

''وہ میں یہ Exercise سمجھنے آئی تھی آپ سے۔'' مشال نے جلدی سے بک اٹھائی اور سالار کے آگے کر دی۔

''کل پیپر ہے ناں آپ کا؟'' سالار نے اسے جتلایا۔

''ہوں۔'' اس نے گردن ہلائی۔

''تو......''

''میں کافی دیر سے سوال کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حل ہی نہیں ہو رہے ہر بار جواب غلط آ جاتا ہے۔ بہت ضروری ہے یہ ایکسر سائز پلیز سمجھا دیں ناں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔ مشق واقعی میں بہت مشکل اور ضروری تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹھو! مگر آئندہ ایسے نہیں چلے گا۔'' سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے وہ بولا۔

آج کل تو وہ خود اپنے امتحانات کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے پڑھانے کی حامی بھر لی۔ سوال سمجھانے کے بعد دو تین سوال اسے کرنے کو دیئے اور خود ریک میں سے اپنی بکس اٹھا کر ٹیبل پر رکھیں اور اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یس۔'' اس نے بازو خوشی سے ہوا میں لہرایا۔

''کیا ہوا؟'' سالار جو پڑھنے میں محو تھا نے گردن اٹھا کر حیرت سے پوچھا۔

''نکل آیا جواب۔'' خوشی سے کہا۔

''تو اس میں اتنا خوش ہونے والی کون سی بات ہے؟''

''آپ کے لیے نہیں ہوگی مگر میرے لیے تو ہے صبح سے لگی ہوئی تھی اس فضول ایکسر سائز کو کرنے میں۔

ایک بھی سوال نہیں ہو رہا تھا۔ اب آپ نے سمجھایا تو دو منٹ میں ہو گیا حل۔''

''اتنی مشکل تو نہیں تھی۔ مگر لگتا ہے صبح آپ نے دماغ استعمال نہیں کیا۔ اس لیے وہ سوالات حل نہیں ہوئے۔ چلیں اب جلدی سے باقی سب بھی مکمل کریں۔''

سوالات کی جانب اس کی توجہ مبذول کروا کر وہ خود بھی دوبارہ سے پڑھائی میں مشغول ہو گیا۔ وہ بھی جلدی جلدی سوال حل کرنے لگی' جو اتفاق سے ٹھیک بھی ہو رہے تھے۔ ایک گھنٹہ مسلسل سوالات کے بعد وہ یکدم اکتا گئی۔ اتنی مشکل اور بڑی تھی ایکسر سائز۔ سوال ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ باقی سب وہیں چھوڑ کر کاپی پر دائرے بنانے لگی۔ سالار کی ساری توجہ اس کی جانب تھی۔

''مشال!'' سر پر ہلکی سی چپت لگا کر توجہ پڑھائی کی طرف دلائی۔ منہ بناتے ہوئے اس نے اگلا سوال لکھا اور بے دلی سے حل کرنے لگی۔

سالار وقفے وقفے سے ہاتھ میں پکڑا ہوا پوائنٹر اس کے سر پر مار کر پڑھائی کی طرف اس کی توجہ دلا رہا تھا مگر شاید وہ واقعی میں اکتا گئی تھی۔ اس لیے جب گل مینہ نے اسے زبیر اور عالیہ کے آنے کی اطلاع دی تو وہ کتابیں وہیں چھوڑ کر باہر کی جانب بھاگی مگر جاتے جاتے پلٹی۔

''تھینک یو ویری مچ سالار!''

تیزی سے سیڑھیاں عبور کر کے وہ نیچے آئی۔ جہاں زبیر' عالیہ اور ٹونی پاپا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ سب کو سلام کیا۔ زبیر احمد نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''میری بیٹی ناراض ہے اپنے ماموں سے؟'' اپنے لہجے میں مٹھاس گھولتے ہوئے بولے۔

''نہیں ماموں! میں بھلا آپ سے کیوں ناراض ہونے لگی۔'' محبتوں میں پلی ہوئی لڑکی ان کے اسی پیار کے سامنے پگھلنے لگتی تھی۔

''تو پھر آئیں کیوں نہیں گھر؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''زبیر ماموں! پیپرز ہو رہے ہیں میرے۔'' اس نے نہ آنے کی وجہ بتائی۔

''ارے بھائی صاحب! میں تو اسے لینے آئی تھی۔ شہزینہ کی شادی میں چند دن باقی ہیں اور سچی بات ہے بازاروں کے چکر لگا لگا کر میں تو تھک گئی ہوں۔ اسی لیے آئی تھی آج کہ مشال کو ساتھ لے جاؤں کی باقی کی خریداری یہ اور شہزینہ مل کر کر لیں گی مگر......'' عالیہ آج بطور خاص اسے لینے آئی تھیں مگر اس کے پیپرز کا سن کر مایوس ہو گئیں۔

''کیا کر سکتے ہیں عالیہ! مجبوری ہے۔'' وقار ہمدانی بولے۔

''تمہارے پیپرز کب ختم ہو رہے ہیں مشال؟'' ٹونی نے پوچھا تھا۔

''ایک ہفتے بعد۔''

''پھر ٹھیک ہے۔ جیسے ہی پیپرز ختم ہوں گے مجھے فون کر دینا آ جاؤں گا لینے۔''

''مگر میں نے شہزینہ کی شادی کے حوالے سے شاپنگ بھی کرنی ہے۔'' اس نے ایک نیا مسئلہ سامنے رکھا۔

''تو وہاں آ کر شاپنگ کر لینا ناں ساری۔ بس میں اب کوئی اور ایکسکیوز نہ سنوں۔ پیپرز ختم ہوتے ہی تم وہاں پہنچو۔'' زبیر احمد نے اس کے لیے مزید انکار کی گنجائش نہ چھوڑی۔

''ٹونی! کیسا جا رہا ہے کام' دل لگ گیا فیکٹری میں یا نہیں؟'' وقار ہمدانی براہ راست ٹونی سے مخاطب

ہوئے۔

''ارے دل کیسے نہیں لگے گا۔'' ٹونی کے بولنے سے پہلے زبیر احمد بول اٹھے۔

''کوئی پرانی فیکٹری تھوڑی ہے جو ٹائم لگے گا ایڈجسٹ ہونے میں۔ میں تو کہتا ہوں وقار اب تم آرام کیا کرو۔ کیا ضرورت ہے فیکٹری جانے کی۔ بچے ہیں ناں' سنبھال لیں گے سب، ویسے بھی تمہاری طبیعت کون سا ٹھیک رہتی ہے۔ ہارٹ پیشنٹ ہو۔ آرام سے گھر رہو اور ڈالو ذمہ داری بچے پر۔'' زبیر احمد بے حد شیریں انداز میں مطلب کی بات زبان پر لے ہی آئے۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو زبیر۔'' وقار ہمدانی نے کہا تو تینوں کے دل خوشی سے ہنسنے لگے۔ انہیں اپنا مقصد پورا ہوتا محسوس ہوا۔

''لیکن ابھی میں سمجھتا ہوں۔ اس فیکٹری کو میری ضرورت ہے۔ بہت سے ایسے فیکٹری کے معاملات ہیں جو مجھے خود دیکھنے پڑتے ہیں۔ ٹونی ابھی ناتجربہ کار ہے۔ میں ساری ذمہ داری ایک دم سے اس کے ناتواں کاندھوں پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ بہت وقت لگے گا اسے یہ سب معاملات سمجھنے میں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آہستہ آہستہ سیکھ جائے گا سب۔'' وقار ہمدانی بولے تو سب کے منہ لٹک گئے۔ مگر بظاہر خوش دلی سے انہوں نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☆☆

''پھوپھو۔'' پیپر دے کر وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی۔ لان میں پھوپھو اور رطابہ کو بیٹھا دیکھ کر حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وہ چیختی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔ تہمینہ نے اسے خوب پیار کیا اور وہیں اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے پھوپھو اور میں سخت ناراض ہوں آپ سے' آپ نے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟'' ان کی خیریت دریافت کر کے وہ نروٹھے پن سے بولی۔

''اگر میں اطلاع کر دیتی تو تمہارے چہرے پر اتنی خوشی نہ دیکھ پاتی۔'' انہوں نے اس کے چہرے کو تھام کر لاڈ سے کہا۔

''اس وقت بھی میں اتنی ہی خوش ہوتی پھوپھو۔''

''جو مزہ سرپرائز میں ہے وہ بتا کر آنے میں کہاں۔'' رطابہ اپنے تراشیدہ بالوں کو جھٹکا دیتے اک ادا سے بولی۔

''اپنی خیر منا کر رکھنا۔ پورا پورا بدلہ لوں گی تم سے میں۔ اچھا پھوپھو میں ذرا چینج کر لوں۔ پھر خوب باتیں کریں گے تمہیں تو میں آ کر بتاتی ہوں۔'' رطابہ کو منہ چڑاتی وہ اندر کی طرف بھاگی۔

چھوٹی سی راہداری عبور کر کے وہ جیسے ہی اندر گئی۔ تیزی سے باہر نکلتے سالار سے بری طرح سے ٹکرا گئی۔ لڑکھڑا کر گرنے سے بچنے کے لیے اس کی شرٹ کو مضبوطی سے جکڑا تو منہ سیدھا اس کی پیشانی سے لگا اور دانتوں کا نشان اس کے ماتھے پر ثبت ہو گیا۔ گھبرا کر جلدی سے اس کی شرٹ چھوڑی اور اپنی بے ترتیب سانسیں بحال کرنے لگی۔ جو اس کے انتہائی قریب ہونے پر اتھل پتھل ہو گئی تھیں۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔ دل ابھی تک دھک دھک کر رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔ اٹس او کے۔'' ماتھے پر آئے زخم کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے بولا۔

''پیپر کیسا ہوا ہے آپ کا؟'' مشال نے صرف گردن ہلائی۔ اس کی کیفیت کے پیش نظر سالار اسے جانے کا کہہ کر خود باہر آ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو سالار۔'' وقار ہمدانی نے اس کی باہر کی جانب پیش قدمی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جبران کی طرف جا رہا ہوں انکل۔'' اس نے بتایا۔

''بیٹا! واپسی پر اگر ٹائم ہوا تو فیکٹری کا چکر لگا لینا۔ کافی دنوں سے میں جا نہیں سکا ہوں۔ ریاض کے پاس چند فائلیں سائن کے لیے رکھی ہوئی ہیں۔ وہ بھی لیتے آنا'۔

''ٹھیک ہے انکل! میں لے آؤں گا۔'' وہ سعادت مندی سے بولا۔

''یہ تمہارے ماتھے پر نشان کس چیز کا ہے؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو بالکل ٹھیک تھے تم۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر بڑا واضح نشان دیکھا تو حیرت سے پوچھا۔

ان کے پوچھنے پر وہ یکدم بوکھلا گیا مگر جلد ہی صورت حال پر قابو پا لیا۔

''بلی نے پنجہ مار دیا تھا اس کا نشان ہے یہ۔''

''تم بھی تو ہر وقت اس کے ساتھ لگے رہتے ہو۔ یہ سب تو ہونا تھا۔''

''کون سی بلی نے پنجہ مارا ہے سالار بھائی؟'' رطابہ نے صحیح وقت پر چوٹ کی تھی اس پر مشال کے سالار کے ساتھ ٹکرانے کا منظر اپنی آنکھوں سے وہ دیکھ چکی تھی۔ اس لیے آنکھوں میں بھرپور شرارت لیے وہ بولی۔ سالار نے بے حد چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی پرشوخ نگاہوں کا مفہوم جان کر نگاہیں پھیر لیں۔

''اسی بلی نے جو بے حد جھگڑالو ضدی' خودسر تو ہے مگر اس گھر کی بے پناہ لاڈلی بھی ہے۔ اس کے دم سے ہمدانی ہاؤس کی رونق اور خوشیاں دوبالا ہیں۔''

''اور آپ کی خوشیاں۔'' رطابہ نے اس کے چہرے پر یکدم پھیلی اندرونی خوشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہمدانی ہاؤس'' کے وجود سے میری خوشیاں قائم ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ رکا نہیں اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆

''نوید صاحب آپ یہاں اس کرسی پر......'' ٹونی کو بہت ریلیکس انداز میں وقار ہمدانی کی کرسی پر جھومتے دیکھ کر مینیجر ریاض حیرت سے گویا ہوا۔

''کیوں میں اس کرسی پر نہیں بیٹھ سکتا؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا نوید صاحب! میں تو سر کی وجہ سے......'' ریاض کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔

''آپ کے سر کی اجازت سے ہم یہاں بیٹھے ہیں مینیجر صاحب۔'' کس قدر ڈھٹائی سے یہ جھوٹ بولا گیا تھا۔

''وقار انکل! کی طبیعت خراب ہے آج کل اس لیے انہوں نے مجھے آفس کا چارج سنبھالنے کو کہا ہے۔ آفس کے دوسرے لوگوں کو بھی بتا دیں تاکہ انہیں بھی آپ کی طرح حیرت کا جھٹکا نہ لگے اور ہاں ریاض صاحب آفس کا جتنا بھی ریکارڈ ہے اس کی فائل مجھے دس منٹ کے اندر اندر چاہیے۔ یہ دو چیک ہیں شام تک کیش ہو جائیں میں اپنی بات دہرانے کا قائل نہیں۔ انڈراسٹینڈ' ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔''

ٹونی اس قدر دیدہ دلیری سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جائے گا۔ اس کا خود اسے بھی اندازہ نہ تھا۔ کرسی کی

پشت سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں سے چیئر کے بازو مضبوطی سے تھامے اس نے پوری قوت سے اسے گھما ڈالا۔ اتنا بڑا معرکہ سر کرنے کے بعد وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا۔ اتنی بڑی خوشی اور کارنامہ اکیلے سے ہضم نہ ہوا۔ جیب سے موبائل نکالا اور خانم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆☆

لان میں بچھی سبز گھاس پر بیٹھی وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں۔ شام کی ٹھنڈی تازہ ہوا ان کے چہروں کا طواف کر رہی تھی۔ کیاریوں میں لگے تازہ گلاب کے پھول ہوا کے باعث لہرا لہرا کر اپنے ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ ان پھولوں کی مہکتی خوشبو چارسو پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ تمہارے کیپٹن صاحب منگنی کر کے بھول ہی گئے ہیں۔ شادی کا ارادہ ہے بھی یا نہیں۔''

ایک بھرپور انگڑائی لے کر ٹانگیں گھاس پر پھیلائے رطابہ سے اس کے منگیتر کاشف کے بارے میں وہ دریافت کرنے لگی۔ دو سال تو ہو گئے تھے رطابہ کی منگنی کو۔ کاشف آرمی میں کیپٹن تھا۔ ملک کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر ڈیوٹیز بے حد ٹف ہو گئی تھیں۔ چھٹی ملنے کے کوئی چانس نہیں تھے کئی بار پروگرام بنتے بنتے ٹوٹ گئے۔

''ارادہ تو ہے مگر وقفے سے۔'' رطابہ ایک ادا سے بولی۔

کاشف کے نام پر محبت کے جو جگنو اس کی آنکھوں میں روشن ہوئے تھے۔ مشال نے بے حد غور سے انہیں دیکھا۔

''اور یہ وقفہ کب تک چاہ رہے ہیں کاشف بھائی۔''

''ایک ماہ تک۔'' رطابہ نے دھماکہ کیا۔

''کتنی گھنی ہو اتنے دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے اور منہ سے اب پھوٹ رہی ہو۔ کہ ایک ماہ بعد تمہاری شادی ہے۔'' مشال کو پتہ چلا تو اس کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔

''اب اپنے منہ سے کہتی اچھی لگتی میں۔'' اس نے شرمانے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔

''ہاں! آپ تو بہت شریف ہیں ناں کہ منہ سے پھوٹیں گی تو مشرقی لڑکیوں والا چارم ختم ہو جائے گا۔'' مشال کو اچھا خاصا غصہ تھا اس پر۔

''اچھا! میرا چھوڑو اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا' کب تک وقار انکل کی جان چھوڑو گی۔'' اب کے رطابہ نے اسے نشانہ بنایا۔

''مستقبل قریب میں۔''

''ہاں ہاں کب تک؟'' وہ متجسس لہجے میں بولی۔

''دور دور تک آثار نہیں ہیں۔'' مشال کی بات پر رطابہ نے چیئر پر پڑا ٹیڈی بیئر کھینچ کر دے مارا۔ جسے مشال نے ہنستے ہوئے کیچ کر لیا۔

''اچھا! جلدی سے اٹھو سالار آتے ہی ہوں گے۔ بڑی مشکل سے ٹائم نکالا ہے انہوں نے شاپنگ پر جانے کے لیے۔ یہ نہ ہو کہ وہ آئیں اور ہم تیار نہ ہوں بڑی بے عزتی ہوتی ہے پھر۔ اس لیے چلو جلدی سے۔''

مشال نے اسے دھمکایا تو رطابہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ شہرینہ کی شادی کے لیے شاپنگ کرنا بے حد ضروری تھا۔

☆☆

پوری نک سک سے تیار وہ اب گجرا باندھنے میں مصروف تھی۔ ریڈ جارجٹ کے چوڑی دار پاجامے میں بڑے سے دوپٹے کے ساتھ دل میں اتر جانے کی حد تک وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ریڈ ہی کلر کی چوڑیاں جن کے آگے وہ موتیے کے سفید گجرے باندھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر ہر بار ایک گتھان کے بعد گجرا کھل کر نیچے گر جاتا۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کمرہ بالکل خالی تھا۔ اسے یاد آیا ابھی تھوڑی دیر پہلے شہرینہ کے سسرال والوں کی آمد کا شور اٹھا تھا۔ آج شہرینہ کی مہندی تھی۔ گجرا باندھنے کے چکر میں وہ دھیان ہی نہ رکھ پائی کہ لڑکیاں کب کی کمرے سے جا چکی ہیں۔ اس وقت وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔

''تم اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو باہر مہمان کب کے آ چکے ہیں۔'' ٹونی نے اسے کمرے میں دیکھا تو وہیں چلا آیا۔

''ٹونی! یہ گجرا نہیں بندھ رہا مجھ سے پلیز باندھ دو۔'' مشال نے بے بسی سے کہتے ہوئے گجرا اس کے آگے کر دیا۔ ٹونی نے ایک نظر اس کے حسین سراپے پر ڈالی اور گجرا اس کے ہاتھ سے لے کر پہنانے لگا۔

مشال کا سارا دھیان گجرے کی جانب تھا۔ اس لیے وہ ٹونی کی بدلتی کیفیت محسوس ہی نہیں کر پائی جو مسلسل اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ آخری گرہ لگاتے ہی اس نے مشال کا ہاتھ تھام کر ایک جھٹکے سے اپنی جانب کھینچا۔ وہ جو اس غیر متوقع صورت حال کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ یکدم اس کے سینے سے جا لگی۔ بے یقینی سے ٹونی کو دیکھا۔

''یہ کیا حرکت ہے ٹونی؟'' شدت تذلیل سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''یار! اتنا غضب ڈھاؤ گی تو کس کافر کا ہوش میں رہنے کو جی چاہے گا۔ آخر کزن ہوں تمہارا اتنا حق تو بنتا ہے میرا۔'' خباثت سے کہتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور خود سے قریب کر کے اس پر جھکتا چلا گیا۔

وہ جو اس کی پہلی حرکت پر ہی سن ہو گئی تھی۔ اس قدر بدتمیزی پر شاک میں آ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی حد پار کرتا۔ مشال نے پوری قوت سے اسے پرے دھکیلا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی مگر دروازے کے بیچوں بیچ سالار کو کھڑا دیکھ کر وہیں ٹھٹھک گئی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ وہاں کھڑا سب دیکھ چکا ہے ٹونی کی اس پر نظر پڑی تو وہ نظریں چراتا تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس قدر تذلیل اور شرمندگی پر اس کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کتنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا۔ شرمندگی سے نگاہیں اوپر نہیں اٹھ رہی تھیں۔ شدت تذلیل سے زمین میں گڑھی جا رہی تھی۔ بے قصور ہوتے ہوئے بھی خود کو قصوروار سمجھ رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہ آئی تو گرنے کے سے انداز میں زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور رونا شروع کر دیا۔

اسے روتا دیکھ کر وہ تیزی سے اندر آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''مشال!'' اس نے پکارا۔

''مشال نے گردن اوپر نہ اٹھائی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے بے آواز روتی چلی گئی۔

''مشال! میں جانتا ہوں اس میں آپ کا قصور نہیں۔'' اس نے بے یقینی سے سر اوپر اٹھایا۔ سالار کی آنکھیں سچائی کا ثبوت پیش کر رہی تھیں۔

''جلدی سے آنسو صاف کریں اور باہر آ جائیں۔'' آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگا دیکھ کر وہ بولا۔

''اور ہاں آئندہ کے لیے محتاط رہیے گا۔'' کہتے ہوئے وہ رکا نہیں تیزی سے باہر نکل گیا۔

کچھ لوگ مسیحا ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر حفاظت اور رہنمائی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ زمانے کی اونچ نیچ دھوپ چھاؤں میں سائبان' سالار بھی اس کے لیے مسیحا ثابت ہوا تھا۔

☆☆

اور پھر سب کے روکنے کے باوجود وہ مہندی اٹینڈ کیے بغیر واپس آگئی۔ زبیر' عالیہ' شہزینہ' رطابہ' پھوپھو یہاں تک کہ ٹونی نے بھی اسے روکنے کی بہت کوشش کی۔ تنہائی میں اس سے معافی مانگی (کہیں اس کا پول ہی نہ کھل جائے) ہاتھ جوڑے' پاؤں چھوئے مگر وہ کسی طور وہاں رکنا نہیں چاہ رہی تھی۔ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے سالار کے ساتھ گھر چلی آئی۔ وقار ہمدانی بھی بیٹی کی اچانک بدلتی کیفیت پر بے طرح پریشان تھے۔

ایک ہفتہ بخار میں مبتلا رہنے کے بعد آج وہ کچھ بہتر تھی۔ وقار ہمدانی' سالار' زبیر احمد' عالیہ' رطابہ' پھوپھو بھی اس کے گرد جمع تھے۔ بیڈ پر لیٹے اس نے ایک نظر سب پر ڈالی۔ جو اس کے دائیں بائیں چاروں طرف گھیرہ ڈالے کھڑے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے مشال؟'' پھوپھو نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھا تو آگے بڑھ کر سہارے سے بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

''ٹھیک ہوں پھوپھو۔'' ہلکا سا مسکراتے ہوئے سر جھکائے نقاہت سے بولی۔

''مجھے تو لگتا ہے بھائی صاحب مشال کو نظر لگ گئی ہے۔ مہندی والی رات پیاری بھی تو بہت لگ رہی تھی۔ پھر جو کسی کل موہی کی نظر لگی میری بچی کو کہ پھر سنبھلی نہیں۔ آج آٹھویں روز بخار اترا ہے اس کا۔ دیکھیں تو کیسی پیلی زرد ہو رہی ہے میں نے تو شہزینہ کی مہندی پر بکرے کا صدقہ دے دیا تھا۔ اپنی بچی کے نام کا (سفید جھوٹ)''

زبیر احمد بیوی کی چاپلوسیوں پر اندر ہی اندر حیران اور خوش ہو رہے تھے۔ وقار ہمدانی کی نظر میں وہ اپنے نمبر بڑھانے کا کوئی موقع جانے نہیں دے رہی تھیں۔

☆☆

رطابہ اور تہمینہ پھوپھو کے جانے کے بعد وہ گھر پر بالکل تنہا ہوتی۔ وقار ہمدانی اپنی خراب طبیعت کے باعث زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتے۔ سالار سی ایس ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس لائن جوائن کر چکا تھا۔ اے ایس پی سالار یزدانی بننے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام اپنے والدین کے قتل کیس کی رپورٹ جو الماری کے بند خانوں میں گرد و غبار اور مٹی کی زینت بنی ہوئی تھی نکالی اور نئے سرے سے اس پر کام شروع کیا۔

زبیر احمد اور عالیہ بیگم تک جب یہ بات پہنچی کہ سالار یزدانی نئے سرے سے اپنے والدین کے قتل کی انویسٹی گیشن کر رہا ہے تو دونوں شاک میں آگئے۔ عالیہ بیگم نے آج بطور خاص فون کر کے مشال کو اپنے ہاں بلوایا۔ تاکہ وہ اسے ذریعہ بنا کر سالار یزدانی کی توجہ اس کیس پر سے ہٹوا سکیں۔ مشال کے انکار پر وہ خود اسے لینے ''ہمدانی ہاؤس'' پہنچ گئیں۔ مجبوراً مشال کو ان کے ساتھ جانا پڑا۔ اسے اچھی طرح سے اس قتل کیس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں اور سالار کی زندگی کو درپیش خطرات کے پیش نظر ڈرا دھمکا کر وہ مطمئن ہو گئیں۔

وقار ہمدانی کے کہنے پر وہ مشال کو لینے ''احمد ولا'' پہنچا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا۔ اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم وہیں جکڑ دیے۔ زبیر احمد کے منہ سے وجاہت یزدانی

کا نام سن کر وہ ٹھٹکا۔

''بڑی گہری یاری تھی دونوں میں۔ سائے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ پارٹیز میں ساتھ ساتھ۔ بزنس ٹورز پر ایک دوسرے کے ہمقدم کون سی ایسی جگہ یا مقام تھا جہاں یہ اکٹھے نہ پائے گئے ہوں۔ لیلیٰ مجنوں کی طرح دم چھلے بنے رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے سگے رشتوں میں بھی ایسی محبت' خلوص اور ہم آہنگی نہ ہوگی۔ جیسی ان کے درمیان تھی۔ خونی رشتے بس چاہے محبت کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہوں لیکن ان کے درمیان بھی ایک ایسا مقام ضرور آتا ہے جہاں وہ ان زنجیروں کو کاٹ دینے سے دریغ نہیں کرتے لیکن ان کی دوستی اور محبت کو زوال نہیں آیا۔ یہی چیز تو میرے تن بدن میں آگ لگاتی تھی کہ وقار ہمدانی اپنے سالے زبیر احمد کو چھوڑ کر اس وجاہت یزدانی کو اہمیت دے پھر......''

زبیر احمد کی آنکھیں کسی خیال کے تحت چمکیں گزرے واقعات کا ایک ایک منظر خواب کی طرح ان کی آنکھوں میں رقصاں تھا۔ اپنی زندگی کا بہت اہم راز آج وہ اپنے بیٹے پر منکشف کرنے والے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ باہر کھڑی ہستی پر سے بھی آج بہت سے رازوں کا پردہ اٹھنے والا ہے۔

''پھر کیا ڈیڈ؟'' ٹونی جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے پورے انہماک سے باپ کی گفتگو سننے میں محو تھا۔ یکدم ان کو خاموش اور سوچ میں ڈوبا دیکھ کر انہیں متوجہ کیا۔

''پھر میں نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔''

زبیر احمد نے بے حد عام سے نرم لہجے میں اپنی زندگی کے نہایت تلخ راز کو آشکار کیا لیکن وہ راز کمرے کے اندر اور باہر موجود نفوس کو ہلا کر رکھ گیا۔

''آپ نے ڈیڈ وجاہت یزدانی کا خون آپ نے کیا تھا؟'' ٹونی کو شاید اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بی ایزی مائی چائلڈ۔'' زبیر احمد نے بیٹے کی اڑی اڑی رنگت اور حیرت سے پھٹی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

''تمہارے باپ کے لیے کچھ بھی کرنا مشکل نہیں مائی سن۔'' آنکھوں میں مکارانہ شیطانی چمک لیے وہ پھر سے گویا ہوئے۔

''ویسے بھی اگر اسے راستے سے نہ ہٹاتا تو یہ فیکٹری' بینک بیلنس' یہ کوٹھی' روپیہ پیسہ' کاروبار اتنے عیش نہ ہوتے ہمارے۔'' زبیر احمد انکشافات پر انکشافات کیے جا رہے تھے۔

''کیا مطلب ڈیڈ یہ سب کچھ ہمارا نہیں ہے؟''

''میرے بے وقوف بچے' تمہارا باپ اگر ساری زندگی بھی کماتا تو اتنا سب کچھ حاصل نہ کر سکتا۔ وجاہت یزدانی کی کروڑوں کی فیکٹری زبیر احمد کو فرش سے عرش پر لے آئی۔''

''ڈیڈ! آپ تو کہہ رہے تھے کہ وجاہت یزدانی کی وقار انکل کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی۔ پھر یہ فیکٹری آپ کے قبضے میں کیسے آگئی۔ وقار انکل نہیں جانتے کہ یہ فیکٹری وجاہت یزدانی کے نام ہے؟'' ٹونی کے ابھی بھی کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔

''اسے پتہ ہوتا تو اتنا سب کچھ ہمارے پاس نہ ہوتا۔ ایک بہت بڑا سرمایہ لگا کر یہ فیکٹری بنوا رہا تھا وجاہت یزدانی۔ جواب زبیر احمد کے نام ہے۔ جس ادارے میں' میں کام کرتا تھا وہاں کے ایک ورکر اکرام کا دوست احسان جیلانی اس پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا۔ احسان جیلانی اکثر و بیشتر اکرام سے ملنے آتا تو گفتگو کا مرکز زیادہ

ریاض کچھ کہتے کہتے رکا۔ چہرے پر اضطراب اور لہجے میں ہچکچاہٹ واضح تھی۔ جسے وقار ہمدانی کی کھوجتی نگاہوں نے محسوس کیا۔

''کیا بات ہے ریاض! تم خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھو جو بھی بات ہے صاف صاف کہو۔'' اپنے بے حد پر اعتماد اور قابل بھروسہ منیجر کی لمحہ بھر میں بدلتی کیفیت کسی بڑے نقصان کا پتہ دے رہی تھی۔

''سر! جب سے آپ کے بھانجے نوید نے آفس کا چارج سنبھالا ہے۔ اس وقت سے فیکٹری مسلسل خسارے میں جا رہی ہے۔'' ریاض نے جھکتے جھکتے آخرکار کہہ ہی دیا۔

''ٹونی کو آفس کا چارج سنبھالنے کی اجازت کس نے دی ہے؟'' وقار ہمدانی تقریباً چنگاڑتے ہوئے بولے۔ ریاض کی زبانی اس غیر متوقع خبر پر وہ اندر ہی اندر سلگ اٹھے۔

''سر! انہوں نے خود کہا تھا کہ آپ نے انہیں اجازت دی ہے کہ جب تک آپ صحت یاب نہیں ہو جاتے اس وقت تک آفس کا چارج وہ سنبھالیں گے۔ سر جب تک آپ تھے فیکٹری کا انتظام سلیقے اور ایک ترتیب سے چل رہا تھا مگر اب انہوں نے اپنے طریقے سے کام کروانا شروع کر دیا ہے۔ اس لیے تو فیکٹری کو مسلسل نقصان ہو رہا ہے۔ آفس کے سینئرز کے ساتھ وہ کئی بار بدتمیزی کر چکے ہیں۔ آپ کے اکاؤنٹ میں سے دو تین بار پیسے بھی نکلوا چکے ہیں۔ میں آج اس لیے آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ واپس آ جائیں یا سالار صاحب کو بھیج دیں۔ سر اگر یہی صورت حال رہی تو ایک دو ہفتوں تک فیکٹری یقیناً بند ہو جائے گی۔'' ریاض صاحب نے فیکٹری کی صورت حال سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسا کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا یہ سب؟'' ٹونی اتنا بڑا دھوکہ دے گا انہیں امید نہ تھی۔

''سر! میں نوید اور آپ کے مابین تعلق کی بنا پر کچھ کہہ نہیں سکا آپ سے نوید صاحب نے خود کہا تھا کہ وہ فیکٹری کی صورت حال سے گاہے بگاہے آپ کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں نے آپ کو کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا لیکن سر اب فیکٹری کے اکاؤنٹ کے علاوہ چند امپورٹنٹ فائلز بھی غائب ہیں۔ غیر ملکی کمپنیوں کے ساتھ ہمارے جو معاہدے تھے نوید صاحب نے میٹنگز اٹینڈ نہ کرنے کے باعث وہ معاہدے بھی ختم کروا دیئے۔''

''ٹھیک ہے ریاض! تم جاؤ میں بعد میں تم سے تفصیلی بات کرتا ہوں۔''

سالار کو ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر آتے دیکھ کر وہ بولے۔ بچوں کے سامنے وہ کسی قسم کی کمزوری ظاہر کر کے انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتے تھے۔

''سالار! مشال نہیں آئی تمہارے ساتھ؟'' اسے اکیلے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ حیران ضرور ہوئے اس لیے پوچھا۔

سالار چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں پڑے جہازی سائز صوفے تک آیا اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر ڈھے گیا۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی۔ وقار ہمدانی کا پوچھا گیا سوال گویا اس کی سماعتوں سے ٹکرایا ہی نہ ہو۔

''سالار! مشال کہاں ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے ناں۔''

سالار کی اجڑی' بے بیاباں حالت بہت کچھ اخذ کروا رہی تھی۔ جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہے تھے۔ دل عجیب وہموں اور وسوسوں میں گھرنے لگا تھا۔ سالار کی اب کی بار بھی خاموشی پر اسے اس حالت میں چھوڑ کر ٹیلی

فون اسٹینڈ کی جانب بڑھے۔

زبیر احمد کے گھر کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے بٹنوں پر انگلیوں کی کپکپاہٹ اور سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکن نمایاں تھی۔ تین چار بیل کے بعد مشال کی کھنکتی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تو انہیں لگا ان کے بے جان وجود میں کسی نے جان ڈال دی ہو۔ اس کی خیریت جاننے اور مکمل طور پر مطمئن ہونے کے بعد وہ پھر سے سالار کی جانب بڑھے جو ہنوز اسی حالت میں تھا۔ جیسا وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔

''سالار! کیا بات ہے بیٹا' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

صوفے پر اس کے انتہائی قریب بیٹھتے ہوئے اپنا بوڑھا کمزور ہاتھ اس کے مضبوط چوڑے شانے پر دھرے وہ اب اس سے اس کی کیفیت کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔

سالار نے پل بھر کو آنکھیں کھولیں اور پھر موند لیں لیکن اس پل اس کی آنکھوں میں پھیلی وحشت وقار ہمدانی سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ یکدم گھبرا کر وہ پیچھے ہٹے۔ چہرے پر اضطراب کے سائے' لال سرخ پپوٹے جو آنکھوں کو مزید وحشت زدہ بنا رہے تھے۔ پیشانی پر پھیلی درد کی شکنیں' تھکا ماندہ پژمردہ چہرہ جیسے طویل مسافت طے کر کے آیا ہو۔

''سالار۔''

وقار ہمدانی نے اپنے کمزور وجود کے ساتھ اس کے بے حد مضبوط اعصاب والے وجود کو جھنجھوڑ ڈالا۔ سالار کی طویل خاموشی انہیں مزید وحشت زدہ بنا رہی تھی مگر اگلا پل ان کے لیے مزید حیران کن تھا۔ سالار ان کے کندھے سے لگ کر چھوٹے معصوم بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور اسی لمحے سالار یزدانی نے زبیر احمد اور ٹونی کے درمیان ہونے والی گفتگو ان کے گوش گزار کی۔ جسے سن کر وہ سکتے میں آ گئے۔

جان سے عزیز بھائیوں جیسے دوست کا قتل زبیر کرے گا ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ یہ سوچ شاید ساری زندگی ان کے ذہن سے نہ گزر سکتی کہ پیسے کے لالچ میں زبیر احمد اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔ رابعہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔

''اس شخص پر کبھی اعتبار مت کرنا۔''

جس بہن کے اپنے بھائی کے بارے میں اس طرح کے خیالات ہوں وہ بھلا کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے رابعہ یزدانی کے حوالے سے اسے عزت دی جس کے وہ قابل نہ تھا۔

''کاش...... زبیر تم نے یہ سب نہ کیا ہوتا۔'' بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھے وہ صوفے پر گرتے چلے گئے۔

☆☆

وقار ہمدانی کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ مسلسل تین گھنٹوں سے آئی سی یو میں بند ڈاکٹرز ان کی بے ترتیب ٹوٹتی جڑتی سانسوں کا تسلسل برقرار رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور باہر کھڑا سالار یزدانی اپنی ہر سانس کے ساتھ ان کی زندگی کے لیے دعا گو تھا کہ وہ اس شفیق باپ جیسی ہستی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ شاید وہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی یا پھر خدا ہی بے انتہا غفور و رحیم ہے جو کبھی اپنے در پر آنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔ بے شک اسی کی ذات بچانے والی ہے۔

چند گھنٹوں بعد انہیں آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ اس وقت ان کے نزدیک

عالیہ' ٹونی سبھی موجود تھے۔ مشال مسلسل روئے چلی جارہی تھی۔ ڈاکٹرز کے دو تین بار ٹوکنے کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو سالار نے اسے جھڑک دیا۔ ایک تو ان سب کی موجودگی اسے ڈسٹرب کررہی تھی اوپر سے مشال کا مسلسل رونا۔

''پلیز مشال! خاموش ہوجائیں۔ آگے ہی انکل کی طبیعت اتنی مشکل سے سنبھلی ہے۔ بجائے اس ذات باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے آپ روئے چلے جارہی ہیں۔ انکل کو اب کچھ ہوا ناں تو اس کی ذمہ دار آپ ہوں گی بند کریں یہ رونا۔''

مشال نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جو خونخوار نظریں اس پر گاڑھے ہوئے تھا کہ تو وہ ٹھیک ہی رہا تھا وقار ہمدانی کے لیے مزید کوئی صدمہ یا ٹینشن ان کی زندگی کو مات دے سکتا تھا۔ مشال نے جلدی سے آنسو صاف کرلیے۔

مگر کمرے میں موجود تین ہستیوں کو یہ لب ولہجہ یہ انداز بے حد اجنبی لگا۔ سالار اس قدر حق رکھتا ہے مشال پر۔ انہیں واضح محسوس ہوا اس لیے سب سے پہلے زبیر احمد نے اپنے غصے کا اظہار کیا۔

''یہ کس لہجے میں بات کررہے ہو برخوردار۔''

''اس لہجے میں جس لہجے میں مجھے کرنا چاہیے۔'' سالار یزدانی کا اعتماد سے بھرپور لہجہ ٹونی کو تپا گیا۔

''میں ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔'' وہ اس کی جانب لپکا۔

''ٹونی۔'' اس سے پہلے کہ وہ سالار یزدانی تک پہنچ کر ایک نئی جنگ کا آغاز کرتا' وقار ہمدانی کی آواز نے اس کے قدم وہیں روک دیے۔

''آپ دیکھ رہے ہیں انکل کتنی بدتمیزی سے بات کی ہے اس نے مشال کے ساتھ۔'' ٹونی کو ان کا روکنا برا لگا۔ کسی نہ کسی طرح اپنی سبکی تو مٹانا تھی اسے۔

''کچھ غلط نہیں کہا سالار نے۔ اس کے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہیے رو رو کر اپنی جان بھی ہلکان کررہی ہے اور اپنے باپ کو الگ ڈسٹرب کررہی ہے۔''

وقار ہمدانی کی بات پر کمرے میں خاموشی چھا گئی مگر تین نفوس ابھی تک اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہے تھے اور وہ زبیر احمد' عالیہ اور ٹونی کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

☆☆

''مشال! آج شام تمہارا سالار سے نکاح ہے۔''

الفاظ تھے یا بم' مشال کو اپنا سارا دماغ سائیں سائیں کرتا محسوس ہوا۔ وقار ہمدانی نے بظاہر بہت ٹھہرے ٹھہرے انداز میں آج شام اس کے اور سالار کے مابین ہونے والے نکاح سے اسے آگاہ کیا مگر مشال احمد کے حواسوں پر دھماکہ کردیا اسے لگا کہیں بہت قریب دھماکہ ہوا ہو جس نے اس کے پورے وجود کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے ہوں۔

''کیا......؟'' وہ تقریباً چیخی۔ سالار کمرے میں نہ ہوتا تو شاید وہ بہت برے ردعمل کا اظہار کرتی۔

''دیکھو بیٹا! میری زندگی اور موت کا کچھ پتہ نہیں۔ میری بیماری سے تم واقف ہو۔ ہارٹ پیشنٹ ہوں کوئی بھی شدید اٹیک میری موت کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی تمہیں مضبوط سائبان مل جائے۔ وہ سائبان تمہارے لیے سالار یزدانی سے بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

وقار ہمدانی نے دانستہ اسے اصل حقیقت سے بے خبر رکھا کہ وقت آنے پر وہ خود ساری حقیقت جان جائے گی۔ وہ اسے جلد از جلد سالار کے حوالے کرکے پرسکون ہونا چاہتے تھے۔

''پاپا! آپ کیوں اس طرح کی باتیں کررہے ہیں کچھ نہیں ہوگا آپ کو اور ویسے بھی میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' ان کے کاندھے سے سر ٹکائے وہ بے آواز روتی چلی گئی۔

''مشال میری جان! اس طرح روؤ گی تو تمہارے پاپا اور ڈسٹرب ہوں گے بیٹا۔'' وقار ہمدانی نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے اس کے گالوں پر بہنے والے آنسو دیکھتے ہوئے کہا جو بے رواں بہے چلے جارہے تھے۔

''ٹھیک ہے پاپا! میں نہیں روتی۔'' اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے۔

''لیکن میں یہ نکاح بھی نہیں کروں گی۔'' اگلا دھماکہ وقار ہمدانی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سالار یزدانی کے حواسوں پر مشال احمد نے کیا۔ سالار نے بے یقینی سے چونک کر اسے دیکھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! تم یہ چاہتی ہو ناں کہ تمہارا باپ جلد مر جائے۔ تو پھر ٹھیک ہے نہ کرو نکاح۔ میری اذیت اور تکلیف وہ زندگی کی ذمہ دار تم ہوگی مشال۔ سالار اس سے کہو یہ چلی جائے یہاں سے۔ آج اس نے اپنے باپ کو سرخرو کردیا ہے۔ اس کا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ مان بخشا ہے اپنے باپ کے لاڈ پیار کا۔ یہ جانتی نہیں ہے ناں کہ اس کے باپ کی زندگی کتنی خطرے میں ہے اگر جانتی تو شاید اتنا بڑا فیصلہ نہ کرتی۔ یہ دنیا ظالم درندوں اور بھیڑیوں سے بھری پڑی ہے۔ دولت مند کا جینا حرام کردیتے ہیں یہ وحشی درندے' اچھا ہے ناں اسے بھی واسطہ پڑے جب باپ نہیں رہے گا اور یہی ظالم لوگ اپنی اصلیت دکھائیں گے۔ تب قدر آئے گی اسے کوئی بات نہیں بیٹا۔ میں بہت خوش ہوں اپنی بیٹی کے فیصلے سے۔ بس اب تمہارے پاپا چند دن کے مہمان ہیں میرے بچے صرف چند دن کے۔''

وقار ہمدانی بہت ٹوٹ پھوٹ گئے تھے' اپنی بیٹی کے فیصلے سے۔ وہ تو اسے زبیر احمد کے آہنی شکنجے سے بچا کر سالار یزدانی کے مضبوط حصار میں دینا چاہتے تھے لیکن مشال کے تکلیف دہ فیصلے نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مشال ان کے فیصلے سے انکار کردے گی مگر اگلا پل وقار ہمدانی کے لیے بے حد شاکنگ تھا۔ جب مشال ان سے لپٹ کر رو دی اور باپ کا مان رکھ لیا۔

''مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے پاپا مگر آپ آئندہ اس طرح اپنی بیٹی کو چھوڑ کر جانے والی بات نہیں کریں گے۔''

وقار ہمدانی نے مسکراتے ہوئے رو رو کر ہلکان ہوتی بیٹی کے آنسو صاف کیے اور اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا اور پھر اسے مشال ہمدانی سے مسز سالار یزدانی بننے میں دیر نہ لگی۔ اسے لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ آنکھ کھلنے پر سب کچھ ویسا ہی ہوگا جیسے پہلے تھا مگر کچھ بھی ویسا نہیں تھا۔ سب کچھ بدل چکا تھا۔ وہ تو پل بھر میں ساری کی ساری بدل چکی تھی۔ مشال ہمدانی کو مسز سالار بنتے لمحہ بھی نہ لگا۔ جس شخص کے حوالے سے آج تک وہ ایک سپنا بھی نہ بن پائی تھی۔ وہ کتنی آسانی سے اس کی زندگی پر مسلط کردیا گیا کہ وہ چاہ کر بھی اس سے فرار حاصل نہیں کرسکتی تھی۔

''ایسی بھی کیا جلدی تھی پاپا کو کہ انہوں نے کسی کو بتانا اور بلانا مناسب نہیں سمجھا اور اسے بتایا بھی تو ایسے جیسے وہ اس کے نہیں کسی اور کے نکاح کی کی بات کررہے ہوں اور انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ بھلا پاپا کی کسی سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے اور اوپر سے نکاح ہوا بھی تو خفیہ انداز میں چوروں کی طرح چار

افراد کی موجودگی میں۔ جیسے کسی بڑے جرم کی پاداش میں بہت رازدارانہ انداز میں سالار یزدانی کے سر تھوپ کر جرم کی تلافی کی گئی ہو۔ یہ سب کچھ سالار کی وجہ سے ہوا ہے اگر وہ چاہتے تو بابا کو روک سکتے تھے۔ جانتے بھی تھے کہ پاپا نے ان کی کبھی کوئی بات نہیں ٹالی مگر اس کے باوجود انہوں نے ایسا ہونے دیا وہ پورے شریک تھے پاپا کے ساتھ اس سازش میں۔''

شام سے کمرے میں بند وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی مسلسل سوچ اور خود سے الجھے چلی جا رہی تھی اور سالار یزدانی سے بدگمان ہو رہی تھی اس سب کا ذمہ دار اسے ٹھہرا رہی تھی۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سالار! ایک ایک لمحے کا حساب لوں گی آپ سے۔''

☆☆

''ہوں جبران کیا رپورٹ ہے؟''

سالار یزدانی نے بیٹھتے ہی اپنے بے حد خاص الخاص انٹیلی جنس آفیسر دوست جبران کی جانب دیکھتے ہوئے بے صبری سے پوچھا۔ جو کافی عرصے سے نہایت خفیہ طریقے سے سالار کے ساتھ مل کر وجاہت یزدانی اور رابعہ یزدانی کے قاتلوں کا سراغ لگانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔

''یار! میں گیا تھا زبیر احمد کی پرانی فیکٹری جہاں وہ کام کرتا تھا۔ سب کچھ بدل گیا ہے وہاں اتنے سال بھی تو بیت چکے ہیں۔ اس دوران کتنے لوگ آتے جاتے رہے ہیں۔ اس کا اندازہ تو کر سکتا ہے تو اکرم تو شاید سات آٹھ سال پہلے یہ جاب چھوڑ کر سعودی عرب چلا گیا تھا۔ یہ بات اس فیکٹری کے گیٹ کیپر کے ذریعے پتہ چلی۔ جس کے والد اس فیکٹری میں اس عہدے پر فائز تھے جس پر وہ آج کل ہے۔ اس سے زیادہ وہ اکرام کے بارے میں کوئی معلومات نہ دے سکا۔ جبران نے بتایا تو اس نے بے بسی کے سے انداز میں اپنی انگلیاں بالوں میں پھنسائیں اور لب بھینچ لیے۔

''یار! اتنا مایوس ہونے کی کیا بات ہے تجھ سے وعدہ کیا ہے ناں کہ زبیر احمد کو تختہ دار تک پہنچا کر رہوں گا۔ دوست پر اعتبار نہیں تجھے اور ویسے بھی زبیر احمد اور ٹونی کے بارے میں اتنے شواہد اکٹھے ہو چکے ہیں کہ اب بھی ہم چاہیں تو انہیں گرفتار کر سکتے ہیں۔ زبیر احمد پوری فیکٹری غیر قانونی طور پر چلا رہا ہے۔ بے حد امپورٹنٹ فائل ہاتھ لگ چکی ہے میرے یہ دیکھ۔''

کہتے ہوئے اس نے چند فائلز سالار کے آگے کر دیں۔ ان فائلز میں فیکٹری کا تمام ریکارڈ تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ فیکٹری غیر قانونی طور پر چل رہی ہے۔ سالار جلدی سے کاغذات پر جھک گیا۔ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر رقصاں تھے۔ خوشی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ جبران نے بے حد غور سے اس کے چہرے پر پھیلنے والی خوشی محسوس کی۔

''تھینک یو جبران! تھینک یو سو مچ۔'' سالار نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

''اور ہاں ایک اور مزے کی بات......''

''وہ کیا؟'' سالار نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''یاد ہے تجھے ٹونی کے ساتھ ایک لڑکی ہوتی تھی خانم وہی طوائف زادی۔'' جبران نے یاد دلایا۔

''ہاں ہاں۔''

''وہ بھی اب ہماری۔'' جبران نے آنکھ دباتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

میں۔ جیسے کسی بڑے جرم کی پاداش میں بہت رازدارانہ انداز میں سالار یزدانی کے سر تھوپ [illegible]
افراد کی موجودگی [illegible] یہ سب کچھ سالار کی وجہ سے ہوا ہے اگر وہ چاہتے تو بابا کو روک سکتے تھے۔ جانے بھی
جرم کی تلافی کی [illegible] بھی کوئی بات نہیں ٹالی مگر اس کے باوجود انہوں نے ایسا ہونے دیا وہ پورے شریک تھے!!
تھے کہ پاپا نے ان [illegible] ہیں۔"
کے ساتھ اس سازش میں [illegible] بند وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی مسلسل سوچ اور خود سے الجھے چلی جا رہی تھی اور سالار
شام سے [illegible] ہو رہی تھی اس سب کا ذمہ دار اسے ٹھہرا رہی تھی۔
یزدانی سے بدگمان [illegible] "میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی سالار! ایک ایک لمحے کا حساب لوں گی آپ سے۔"

☆☆

"ہوں جبران [illegible] بیٹھتے ہی اپنے بے حد خاص الخاص انٹیلی جنس آفیسر دوست جبران کی جانب دیکھتے ہوئے سالار یزدانی نے بے صبری سے پوچھا [illegible] رپورٹ ہے؟" جو کافی عرصے سے نہایت خفیہ طریقے سے سالار کے ساتھ مل کر وجاہت یزدانی اور رابعہ یزدانی کے قاتلوں کا سراغ لگانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔

"یار! میں گیا تھا [illegible] احمد کی پرانی فیکٹری جہاں وہ کام کرتا تھا۔ سب کچھ بدل گیا ہے وہاں اتنے سال بھی تو بیت چکے ہیں۔ اس دوران کتنے لوگ آتے جاتے رہے ہیں۔ اس کا اندازہ تو کر سکتا ہے تو اکرم تو شاید سات آٹھ سال پہلے یہ جاب [illegible] چھوڑ کر سعودی عرب چلا گیا تھا۔ یہ بات اس فیکٹری کے گیٹ کیپر کے ذریعے پتہ چلی۔ جس کے والد اس فیکٹری میں اس عہدے پر فائز تھے جس پر وہ آج کل ہے۔ اس سے زیادہ وہ اکرم کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دے سکا۔ جبران نے بتایا تو اس نے بے بسی کے سے انداز میں اپنی انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں اور [illegible] بھینچ لیے۔

"یار! اتنا مایوس ہونے کی کیا بات ہے تجھ سے وعدہ کیا ہے ناں کہ زبیر احمد کو تختہ دار تک پہنچا کر رہوں گا۔ دوست پر اعتبار نہیں تجھے [illegible] اور ویسے بھی زبیر احمد اور ٹونی کے بارے میں اتنے شواہد اکٹھے ہو چکے ہیں کہ اب بھی ہم چاہیں تو انہیں گرفتار کر سکتے ہیں۔ زبیر احمد پوری فیکٹری غیر قانونی طور پر چلا رہا ہے۔ بے حد امپورٹنٹ فائل ہاتھ لگ چکی ہے میرے [illegible] یہ دیکھ" کہتے ہوئے اس نے چند فائلز سالار کے آگے کر دیں۔ ان فائلز میں فیکٹری کا تمام ریکارڈ تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ فیکٹری غیر قانونی طور پر چل رہی ہے۔ سالار جلدی سے کاغذات پر جھک گیا۔ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر رقصاں تھے۔ خوشی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ جبران نے بے حد غور سے اس کے چہرے پر [illegible] والی خوشی محسوس کی۔

"تھینک یو جبران! [illegible] یو سوچ۔" سالار نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔
"[illegible] کی بات......"
"اور ہاں ایک اور مزے [illegible] لہجے میں پوچھا۔
"وہ کیا؟" سالار نے [illegible]
"یاد ہے تجھے ٹونی کے ساتھ ایک لڑکی ہوتی تھی خانم وہی طوائف زادی۔" جبران نے یاد دلایا۔
"ہاں ہاں۔"
"وہ سمجھو اب ہماری۔" جبران نے آنکھ دباتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"[illegible] مطلب؟" سالار نہ سمجھی سے بولا۔
"یار! ایک بندہ چھوڑا ہوا تھا اس کے کوٹھے پر۔ اس نے راہ و رسم بڑھائے خانم کے ساتھ۔ ایک ہی دن میں [illegible] کے سارے کرتوت سارے راز فاش کر دیے۔ پیسہ بولتا ہے میری جان اور ویسے بھی پیسہ ان طوائف [illegible] کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ چوری، جوا، شراب، کلب، ہوٹلنگ، زبیر احمد کو کسی بھی لحاظ سے پیچھے نہیں [illegible] اس نے [illegible] اس کے کرتوتوں کی رپورٹ۔ خانم تو خود اس کے خلاف گواہ بننے کو تیار ہے۔"
"یار جبران! میں مان گیا ہوں تجھے تو واقعی یاروں کا یار نکلا۔ بول کیا خدمت کروں تیری؟" سالار بے حد مسرور تھا۔ اب وہ آسانی سے ان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔
"خدمت تو تجھے کرنی پڑے گی۔ بلکہ تو نہیں کوئی اور کرے گا۔" جبران ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا۔
"کوئی اور مگر کون؟"
"مشال! مشال کے ہاتھ کا کھانا کھلانا پڑے گا تجھے مگر کہے گا تو خود۔" جبران ان دونوں کے درمیان [illegible] والے اس نئے بندھن سے واقف تھا۔ اس لیے پرشوخ لہجے میں بولا۔
"یار! مشکل ہو جائے گا۔" سالار بالوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے بولا۔
"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔
"یار! وہ بات ہی نہیں کرتی مجھ سے۔ جب سے نکاح ہوا ہے۔ بہت اکھڑی اکھڑی سی رہنے لگی ہے۔ گھر کے ہر فرد سے بولتی ہے بس مجھ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے اس نے۔ مجھے لگتا ہے وہ اس سب کی ذمہ دار مجھے سمجھتی ہے یار تو ہی بتا وقار انکل کی بات میں کیسے ٹال سکتا تھا۔ پھر بھی وہ بہت بدگمان ہو گئی ہے مجھ سے۔" سالار کے لہجے میں انتہا کی بے بسی تھی۔
"تو فکر نہ کر ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کچھ اتنی بڑی تبدیلی اچانک اس کی زندگی میں آئی ہے۔ سیٹ ہونے میں تھوڑا سا وقت تو لگے گا ناں۔" جبران نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دلاسہ دیا۔
"مگر یاد رکھ میں ٹریٹ بھولوں گا نہیں۔ اب ٹائم اور دن تو مجھے بتائے گا۔" جبران نے ہنستے ہوئے کہا تو اس کی ہنسی میں سالار نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

☆☆

اکتوبر کے اواخر میں سردی کی شدت اچانک بڑھ گئی۔ اس لیے اب شام میں ہی رات کا گمان ہونے لگتا۔ شام سات بجے کے قریب وہ گھر میں داخل ہوا۔ آسمان پر اب بھی کہیں کہیں سرمئی بادل چھائے ہوئے تھے۔ وسیع و عریض لان میں سے گزر کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو باہر کی طرح یہاں بھی مکمل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تمام کمرے چیک کرنے کے بعد وہ کچن میں آیا۔ مشال کو گل مینہ کے ساتھ کچن میں دیکھ کر ایک گہرا سانس خارج کیا۔ ریڈ کلر کے سادہ سے گرم سوٹ پر بادامی ہائی نیک سویٹر اور ساتھ میں شانوں پر اس کے ہم رنگ گرم شال اوڑھے وہ گل مینہ کی کسی بات پر کھلکھلا رہی تھی۔ ہفتے بعد گل مینہ کی شادی متوقع تھی۔ اس لیے گفتگو کا موضوع بھی یہی تھا۔ سالار نے ایک بے حد بھرپور نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی اور ہولے سے مسکرا دیا ان دونوں کی سالار کی جانب پشت تھی۔ اس لیے وہ اسے دیکھ نہ سکیں۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا فریزر تک آیا۔ دروازہ کھول کر اپنی مطلوبہ چیز تلاش کرنے لگا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں چونکیں۔ پلٹ کر دیکھا تو سالار جھکنے کے سے انداز میں فریزر میں سے کھانا اب باہر نکال رہا تھا۔

''سلام صاب!'' گل مینہ نے جھٹ سے سلام کیا۔ جب کہ مشال نے کترا کر نکلنا چاہا مگر سالار کھانا ہاتھ میں لیے اس انداز سے آگے بڑھتے ہوئے کچن کے بیچوں بیچ کھڑا ہوا کہ مشال کے لیے باہر جانے کے سارے راستے معدوم کر دیئے۔ اس نے گھبرا کر منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

''صاب! لائیں یہ کھانا میں گرم کردوں۔'' گل مینہ نے ہاتھ سے پلیٹ لینا چاہی مگر سالار نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

''بس گل مینہ! کھانا میں گرم کرلوں گا تم ایسا کرو میرا سوٹ استری کردو۔''

''ٹھیک ہے صاب! ہم ابھی کردے گا سوٹ استری۔'' کہتے ہوئے وہ چھپاک سے غائب ہوگئی۔

گل مینہ کے جاتے ہی مشال نے ایک بار پھر کترا کر نکلنا چاہا مگر سالار یزدانی نے اسے جانے نہ دیا۔ کھانے کی پلیٹ وہ پہلے ہی سائیڈ پر رکھ چکا تھا۔

''آپ نے مجھ سے بات کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے مشال۔'' وہ اس کے خوبصورت سراپے پر نظریں گاڑھے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ بس آپ ہٹیں آگے سے۔''

سالار کی مسلسل خود پر جمی نظروں سے کنفیوژ ہو کر اسے راستے سے ہٹانا چاہا مگر وہ بھی مضبوط فولادی جسم کا مالک تھا۔ اسے اتنی آسانی سے ہٹانا مشال جیسی نازک کمزور لڑکی کے بس کی بات نہ تھی۔

''جب تک آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گی میں نہیں ہٹوں گا سامنے سے۔'' وہ ہنوز اسی حالت میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''بہت ناسمجھ ہیں ناں آپ جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔''

''دیکھیں مشال! اگر آپ اپنے اور میرے تعلق کی بات کر رہی ہیں تو بی لیوی! وقار انکل نے مجھے بھی اسی دن کہا تھا جس دن آپ سے بات کی تھی۔ آپ خود ہی بتائیں میں انہیں کیسے انکار کرتا۔''

''آپ کر سکتے تھے انکار لیکن آپ نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ آپ کو پتہ بھی تھا کہ پاپا آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کرتے مگر اس کے باوجود آپ نے وہ سب ہونے دیا۔ پوری طرح سے شریک تھے آپ پاپا کے ساتھ۔ آپ نے اچھا نہیں کیا سالار میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔'' اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ تقریباً روتے ہوئے کچن سے بھاگ گئی۔

بے حد بوجھل دل کے ساتھ وہ سائیڈ پر پڑی کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''اس میں میرا کیا قصور مشال......''

☆☆

''کیا ڈھونڈ رہے ہیں زبیر! تقریباً دو گھنٹے ہوگئے آپ کو یہ تجوری کھولے ہوئے کمرے کی حالت الگ خراب کر رکھی ہے۔ ایسی کیا چیز کھوگئی ہے جو دنیا جہاں کے ہوش بھلائے بیٹھے ہیں۔'' عالیہ نے کوئی تیسری بار قدم رکھا تھا کمرے میں اور تیسری بار ہی زبیر احمد تجوری میں سر دیئے نہ جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''جس بات کا پتہ نہیں اس بارے میں مت بولو۔ میں آگے ہی بہت پریشان ہوں۔ مجھے مزید پریشان

مت کرو۔''

زبیر احمد نے تجوری میں پڑے اس آخری ڈبے کو بھی کھول ڈالا۔ کاغذات الٹ پلٹ کیئے اور بے دردی سے زمین پر پٹخ دیئے۔

''یہاں بھی نہیں تو پھر کہاں گئی آخر۔'' سائیڈ ٹیبل کو بے دردی سے لات رسید کرتے ہوئے صوفے پر آن بیٹھے اور سر تھام لیا۔

''کیا کہیں مل رہا زبیر! جس کے لیے اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔'' عالیہ نے پاس بیٹھتے ہی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا۔

''ایک بے حد امپورٹنٹ فائل! جس میں فیکٹری کا سارا ریکارڈ موجود تھا وہ غائب ہے۔ اگر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گئی تو سمجھو ہم گئے کام سے۔'' زبیر احمد تقریباً چلاتے ہوئے بے انتہا غصے سے بولے۔

''یہاں کہاں سے آگئی فائل۔ آپ آفس میں ڈھونڈیں ناں۔ لاکرز میں نہیں رکھی تھیں آپ نے ساری فائلیں۔''

''دیکھ آیا ہوں وہاں بھی۔ سمجھ نہیں آرہی کہ فائل گئی کہاں۔ زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ ٹونی کو بلاؤ ہوسکتا ہے اسے کچھ خبر ہو اس بارے میں۔''

زبیر احمد کی پریشانی کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ایک آخری ٹونی تھا جس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ انہوں نے اس لیے فوراً اسے بلوایا۔

''کیا بات ہے ڈیڈ! آپ نے بلوایا تھا مجھے؟'' ٹونی عجلت بھرے انداز میں کمرے میں داخل ہوا اس کے پیچھے عالیہ بھی تقریباً اسی انداز میں داخل ہوئیں۔

''فیکٹری کی بے حد امپورٹنٹ ریکارڈ شدہ فائل غائب ہے ٹونی۔''

''کیا......؟'' اس نے حیرت سے منہ کھولا۔

''مگر ڈیڈ! وہ تو خود آپ نے لاکر میں رکھی تھی۔'' ٹونی نے عالیہ بیگم کی طرح یقین دہانی کروائی۔

''وہیں پر ہی تو نہیں ہے ٹونی! سمجھ نہیں آرہا لاکرز کی چابیاں میرے پاس ہیں پھر وہ کیسے غائب ہوگئی۔ مجھے لگتا ہے کوئی ہماری ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ جاسوسی کر رہا ہے ہماری اندر ہی اندر کوئی بڑی گیم کھیل رہا ہے ہمارے ساتھ۔ تم اپنے طور پر پتہ کرو جہاں سے بھی ہو مجھے وہ فائل ہر حال میں چاہیے۔'' زبیر احمد کی چھٹی حس کسی بڑے خطرے کا الارم بجا رہی تھی کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ تھی ضرور۔

''ٹھیک ہے ڈیڈ! میں کرتا ہوں کچھ۔'' ٹونی نے کہتے ہی باہر کی راہ لی۔

آج کل تو وہ خانم کی وجہ سے پریشان تھا۔ نہ جانے کیا ہوگیا تھا اسے کسی طور ہاتھ ہی نہیں آرہی تھی۔ فون پر بات کرنا چاہتا تو وہ بزی ملتا۔ کوٹھے پر جاتا تو وہاں بھی وہ نہ ملتی۔ اسے لگتا تھا وہ جان بوجھ کر اسے چکر دے رہی ہے۔ نہ ملنے کے بہانے تراشتی رہتی۔ اس کے لیے لڑکیاں کم نہ تھیں شہر میں مگر خانم کا رویہ اسے طیش دلا رہا تھا۔ پانی کی طرح پیسہ بہایا تھا اس پر۔ اب وہ اسے یوں اگنور کر رہی تھی جیسے ان کے درمیان کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اتنا بڑا دھوکہ ٹونی جیسا شخص کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اوپر سے یہ نئی ذمہ داری۔ اسے رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔

☆☆

وقار ہمدانی اور سالار یزدانی بیڈ پر آمنے سامنے بے شمار فائلوں کا ڈھیر لگائے اردگرد سے بے خبر گفتگو میں

مصروف تھے۔ سالار یزدانی زبیر احمد کے خلاف اکٹھے کئے گئے شواہد سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔ جب مشال کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی دونوں خاموش ہو گئے۔ سالار نے جلدی سے اپنے سامنے بکھری فائلز اکٹھی کیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر خود سیدھا ہو گیا۔ سالار یزدانی کی اس حرکت پر اس نے بے حد ترچھی نگاہ اس پر ڈالی اور وقار ہمدانی سے مخاطب ہوئی۔

''پاپا! میں نے مارکیٹ جانا ہے کل مینہ کی شادی کے لیے کپڑے اور گفٹس خریدنے ہیں مجھے۔'' سالار کو بالکل نظر انداز کر کے وہ اپنے یہاں آنے کا مقصد بتانے لگی۔

''تو بیٹا! مسئلہ کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔''

''پاپا! ڈرائیور کو تو ابھی آپ نے خود کام سے اسلام آباد بھیجا ہے۔'' مشال کو ان سے اس درجہ غائب دماغی کی توقع نہ تھی۔

''اوہ...... ہو میں تو بھول ہی گیا تھا پھر......'' پیشانی پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے بولے۔

''پاپا! آپ چلیں ناں میرے ساتھ۔ ہم ابھی واپس آ جائیں گے۔'' وہ چھوٹے بچوں کی طرح ضدی پن سے بولی۔

''بیٹا! مجھ میں تو ہمت نہیں کہ تمہارے ساتھ بازاروں میں گھومتا پھروں۔ یہ سالار بیٹھا ہے۔ اس سے کہو یہ لے جائے گا تمہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں آرام کرنے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ اس وقت وہ دونوں کمرے میں تنہا تھے۔ سالار نے ایک نظر خود سے الجھتی مشال پر ڈالی۔ بیڈ پر پڑا تکیہ اونچا کیا اور ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھے نظریں مشال پر ٹکائے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ مشال نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

''پاپا! بھی حد کرتے ہیں۔ کیا تھا جو چلے جاتے اب کیا کروں؟''

''ٹونی......'' اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمکیں۔

بعض اوقات انسان نہ چاہتے ہوئے بھی کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ چاہے نقصان خود اپنا ہی کیوں نہ ہو جائے مگر فائدہ بھی تو حاصل ہو جاتا ہے۔ ٹونی بھی آج کل سالار کی کمزوری بنا ہوا تھا اور مشال اس کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔ یہ بھولتے ہوئے کہ یہی کمزوری کتنا بڑا نقصان کرنے لگی تھی اس کا۔ نکاح کے بعد سالار نے بہت واضح الفاظ میں اسے ''احمد ولا'' جانے سے روکا تھا۔ اس کے اس رد عمل پر بے پناہ حیرت ہوئی تھی اسے کس قدر حق جمانے لگا تھا وہ اس پر۔ اسے بے پناہ غصہ آیا۔ سالار کے اس اقدام پر۔ پاپا سے شکایت کی تو انہوں نے بھی سالار ہی کی حمایت کی۔ یہ بات مشال کو مزید طیش دلانے کے لیے کافی تھی۔

ان کی بیٹی کتنی غیر اہم ہو گئی تھی ان کی نظر میں۔ اسے شدت سے احساس ہوا اس بات کا۔

پھر وہ اکثر ''احمد ولا'' جانے لگی۔ محض سالار یزدانی کو چڑانے کی خاطر اس کی ہر خواہش ہر جائز بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی دکھائی۔ ''احمد ولا'' سے واپسی پر وہ اپنی اور ٹونی کے درمیان ہونے والی ملاقات اور گفتگو سالار یزدانی کی موجودگی میں جان بوجھ کر پرشوخ لہجے میں گل مینہ کے گوش گزار کرتی۔ محض سالار یزدانی کا غصہ، طیش، حسد اور جذبات کی شدت سے سرخ و سفید چہرہ دیکھنے کی خاطر ایک طمانیت بھرا احساس اسے اپنے وجود میں سرایت کرتا محسوس ہوتا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے چھوٹے سے موبائل میں فیڈ ٹونی کا نمبر پش کیا اور اسے کان سے لگا لیا۔

مصروف تھے۔ سالار یزدانی زبیر احمد کے خلاف اکٹھے کیے گئے شواہد سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔ ... کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی دونوں خاموش ہو گئے۔ سالار نے جلدی سے اپنے سامنے بکھری ... اکٹھی کیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر خود سیدھا ہو گیا۔ سالار یزدانی کی اس حرکت پر اس نے بے حد ... پر ڈالی اور وقار ہمدانی سے مخاطب ہوئی۔

''پاپا! میں نے مارکیٹ جانا ہے کل مینہ کی شادی کے لیے کپڑے اور گفٹس خریدنے ہیں مجھے۔'' سالار ... بالکل نظر انداز کر کے وہ اپنے یہاں آنے کا مقصد بتانے لگی۔

''تو بیٹا! مسئلہ کیا ہے ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔''

''پاپا! ڈرائیور کو تو ابھی آپ نے خود کام سے اسلام آباد بھیجا ہے۔'' مشال کو ان سے اس درجہ غائب دماغی کی توقع نہ تھی۔

''اوہ...... ہو میں تو بھول ہی گیا تھا پھر......'' پیشانی پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے بولے۔

''پاپا! آپ چلیں ناں میرے ساتھ۔ ہم ابھی واپس آ جائیں گے۔'' وہ چھوٹے بچوں کی طرح ضدی ... سے بولی۔

''بیٹا! مجھ میں تو ہمت نہیں کہ تمہارے ساتھ بازاروں میں گھومتا پھروں۔ یہ سالار بیٹھا ہے۔ اس سے کہو لے جائے گا تمہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں آرام کرنے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ اس وقت وہ دونوں کمرے میں تنہا تھے۔ سالار نے ایک نظر ... سے الجھتی مشال پر ڈالی۔ بیڈ پر پڑا تکیہ اونچا کیا اور ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھے نظریں مشال پر ٹکائے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ مشال نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

''پاپا! بھی حد کرتے ہیں۔ کیا تھا جو چلے جاتے اب کیا کروں؟''

''ٹونی......'' اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمکیں۔

بعض اوقات انسان نہ چاہتے ہوئے بھی کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ چاہے نقصان خود اپنا ہی کیوں نہ ہو جائے مگر فائدہ بھی تو حاصل ہو جاتا ہے۔ ٹونی بھی آج کل سالار کی کمزوری بنا ہوا تھا اور مشال اس کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔ یہ بھولتے ہوئے کہ یہی کمزوری کتنا بڑا نقصان کرنے لگی تھی اس کا۔ نکاح کے بعد سالار نے بہت واضح الفاظ میں اسے ''احمد ولا'' جانے سے روکا تھا۔ اس کے اس ردعمل پر بے پناہ حیرت ہوئی تھی اسے کس قدر حق جمانے لگا تھا وہ اس پر۔ اسے بے پناہ غصہ آیا۔ سالار کے اس اقدام پر۔ پاپا سے شکایت کی تو انہوں نے بھی سالار ہی کی حمایت کی۔ یہ بات مشال کو مزید طیش دلانے کے لیے کافی تھی۔ ان کی بیٹی کتنی غیر اہم ہو گئی تھی ان کی نظر میں۔ اسے شدت سے احساس ہوا اس بات کا۔

پھر وہ اکثر ''احمد ولا'' جانے لگی۔ محض سالار یزدانی کو چڑانے کی خاطر اس کی ہر خواہش ہر جائز بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی دکھائی۔ ''احمد ولا'' سے واپسی پر وہ اپنی اور ٹونی کے درمیان ہونے والی ملاقات اور گفتگو سالار یزدانی کی موجودگی میں جان بوجھ کر پرشوخ لہجے میں گل مینہ کے گوش گزار کرتی۔ محض سالار یزدانی کا غصہ، طیش، حسد اور جذبات کی شدت سے سرخ و سفید چہرہ دیکھنے کی خاطر ایک طمانیت بھرا احساس اسے اپنے وجود میں سرایت کرتا محسوس ہوتا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے چھوٹے سے موبائل میں فیڈ ٹونی کا نمبر پش کیا اور اسے کان سے لگا لیا۔

''... ہوں مشال۔''

... پرجوش انداز میں بولی۔ جب کہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نیم دراز سالار یزدانی ٹونی کے ... اٹھ بیٹھا اور بے یقینی سے مشال کو دیکھا۔

''... کیسے ہو؟'' اپنے کھلے شولڈر کٹ بالوں کو کانوں کے پیچھے کیے تقریباً اسی لہجے میں بولی۔ غصے کی ... سالار کے پورے وجود میں اترتی چلی گئی۔ جسم کا سارا خون یکدم چہرے پر آن جمع ہوا۔

''... ہوں یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا گیا۔ یہ انداز اس قدر برا لگا ... ایک تھپڑ لگا کر اس کی ہنسی کو بریک لگا دے۔

''اچھا سنو! کوئی کام تو نہیں کر رہے ہو اس وقت۔ فارغ ہو ناں؟'' اس نے پوچھا۔

''... ٹونی! بس چھوڑو سب کام وام۔ پتہ ہے گل مینہ کی شادی ہے ہفتے کو۔ بہت ساری شاپنگ......''

اس سے پہلے کہ وہ اپنے فون کرنے کا مقصد بتاتی اسے سالار نے آگے بڑھ کر موبائل اس کے ہاتھ سے ... اور بیڈ پر پٹخ دیا۔ بازو سے کھینچ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنی جانب موڑا۔ وہ اس کے سینے سے لگتے لگتے ...

''آپ کو منع کیا تھا ناں کہ آپ ٹونی اور اس کے گھر والوں سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گی۔ پھر کیوں ملتی ہیں آپ اس سے؟''

... سے انگلیاں اس کے بازو میں گاڑتے ہوئے شعلہ بار لہجے میں پوچھا۔ تکلیف کی شدت سے وہ بلک ... سالار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر دے اس کے ساتھ۔ اس کے اس شعلہ بار لہجے پر مشال مزید سلگ ... ایک جھٹکے سے بازو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔ درد کی شدت سے آنسو امڈ کر باہر آنے کو بے چین ... تھے مگر ضبط کیے رکھا۔

''آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے؟ کس نے دیا ہے آپ کو یہ حق؟'' سالار سے زیادہ چنگاڑتا لہجہ مشال ہمدانی کا تھا۔

''مذہباً اور قانوناً مجھے یہ حق حاصل ہے مسز سالار یزدانی کہ آپ کو برائی کے راستے پر جانے سے روک سکوں اور آپ کے والد وقار ہمدانی نکاح کی صورت میں یہ حق دے چکے ہیں مجھے۔'' سالار نے دانت پیستے ہوئے تضحیک آمیز لہجے میں اسے اس تلخ حقیقت سے روشناس کروایا۔

''میں نہیں مانتی اس نکاح کو۔ زبردستی کا ویسے بھی کوئی نکاح نہیں ہوتا۔''

''نکاح' نکاح ہی ہوتا ہے مشال ہمدانی! زبردستی کا ہو یا اجازت سے۔'' اس نے باور کروایا۔

''میں نے صرف پاپا کے کہنے پر حامی بھری تھی ورنہ مجھے نہ آپ میں کوئی دلچسپی ہے نہ اس نکاح میں اور ایک بات میری کان کھول کر سن لیں ٹونی سے ملنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی مجھے۔'' کہتے ہوئے وہ رکی نہیں اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ لہجہ اٹل اور انداز باغیانہ تھا۔

مشال کے اسی لہجے اور انداز نے ایک عجیب سا شور اور طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس کے اندر اس سے پہلے کہ اس کے بڑھتے قدم اس کی باغیانہ سوچوں کا ساتھ دیتے۔ سالار نے ایک ہی جھٹکے سے اس کا بازو اپنی جانب کھینچا اور بے دردی سے بیڈ پر پٹخ دیا۔ دونوں بازو کہنیوں کے سہارے بیڈ پر اس کے گرد ٹکائے وہ اس پر جھکتا چلا گیا۔ اتنا قریب کہ مشال کے لیے سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ جلدی سے رخ پھیر لیا۔ اس کی ٹھوڑی کو سختی سے

ہاتھ کی انگلیوں میں دبوچ کر رخ اپنی جانب موڑا۔ تکلیف سے آنسو بے اختیار بہہ نکلے۔

''ایک بات تم بھی میری کان کھول کر سن لو مشال سالار یزدانی! میں تمہاری اس نادانی کو آج پہلی اور آخری سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔ آج کے بعد اگر تم ٹونی سے ملیں یا اس سے بات بھی کرنے کی کوشش کی تو اسی سمیت زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔'' انتہائی غصے سے کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

دھڑام سے بند ہوتے دروازے کی خوفناک آواز سے جہاں کمرے کے در و دیوار لرزے۔ وہاں مشال ہمدانی بھی پوری جی جان سے کانپ اٹھی۔ سالار کے اتنے قریب ہونے پر بے ترتیب سانسوں کا تسلسل اب بھی برقرار تھا۔ خوف کی شدت سے دل جیسے پسلیاں چیر کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔ سالار سے اس درجہ غصے اور ہٹ دھرمی کی توقع نہ تھی اسے۔ اس کی آنکھوں میں اتری وحشت کی سرخیاں مشال کا خوف بڑھائے چلی جا رہی تھیں مگر اگلے ہی پل وہ کچھ سوچ کر جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔ ہر طرح کے ڈر خوف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔

''میں بھی دیکھتی ہوں سالار یزدانی تم کیسے روکتے ہو مجھے ٹونی سے ملنے سے تمہاری ضد اور غرور پاش پاش نہ کیا تو مشال نام نہیں میرا۔'' اپنے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو جلدی سے رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ بیڈ سے موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔

☆☆

لائٹ بلیو جینز پر گلابی شرٹ' ہاتھ میں کی چین گھماتے' مدہم انداز میں ہونٹوں پر کسی خوبصورت گانے کی دھن بجاتا لاپروا انداز میں وہ جیسے ہی آفس میں داخل ہوا۔ وقار ہمدانی کو سامنے چیئر پر بیٹھا دیکھ کر وہیں ٹھٹھک گیا۔

''رک کیوں گئے ٹونی آؤ ناں۔'' وقار ہمدانی نے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت بھانپتے ہوئے کہا۔ خود پر قابو پاتا ٹونی تیزی سے اندر آیا۔ مبادا وہ چہرہ ہی نہ پڑھ لیں۔

''ارے انکل! آپ کیوں آ گئے آفس' ابھی آپ کی طبیعت کہاں سنبھلی ہے جو آپ نے پھر سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ ویسے بھی ڈاکٹرز نے سختی سے آپ کو کام کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ چلیں بس گھر اور آرام کریں۔ میں ہوں ناں سنبھال لوں گا سب۔'' وقار ہمدانی کے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھتے ہی چہرے پر فکر اور اندیشوں کا بھرپور طوفان لیے وہ کہہ رہا تھا۔ ان کی اچانک واپسی پر غم و غصے کا طوفان الگ سینے میں برپا تھا۔

وقار ہمدانی نے اس کمال ایکٹنگ پر دل ہی دل میں بھرپور داد دی اسے اگر وہ اصل حقیقت سے آگاہ نہ ہوتے تو ٹونی کی باتیں سچ ہی لگتیں۔

''نہیں ٹونی بیٹا! بہت ہو گیا آرام اور بہت کر لیے عیش (کھینچ کر طنز مارا گیا) اب مزید نہ آرام کی گنجائش ہے نہ عیش کی (جتنا کر چکے اتنا کافی ہے) اور ویسے بھی ڈاکٹرز مجھے مکمل طور پر صحت یاب قرار دے چکے ہیں۔ انہی کی اجازت سے میں اس وقت یہاں ہوں۔ اب آپ ایسا کرو اپنی سیٹ دوبارہ سنبھال لو۔ میں آ گیا ہوں ناں اب' آپ کا اس آفس میں کوئی کام نہیں۔ تمام معاملات اب میں خود سنبھال لوں گا۔'' بظاہر بے حد ہشاش بشاش انداز میں کہے گئے وقار ہمدانی کے حقیقت اور سچائی پر مبنی الفاظ ٹونی کو اندر تک تپا گئے۔ ان کی اچانک واپسی نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ ساری سوچیں سارے حواس یکدم معطل ہو کر رہ گئے تھے۔

''وقار انکل! اگر آپ کچھ عرصہ مزید ریسٹ کر لیتے تو......'' ٹونی نے انہیں پھر سے گھیرنا چاہا۔

''دیکھو ٹونی! میں جانتا ہوں کہ تم' زبیر' عالیہ سب بے حد محبت کرتے ہو مجھ سے اور نہیں چاہتے کہ میں کام

کروں۔'' وقار ہمدانی نرم لہجے میں بولے۔ اپنے رویے سے اس پر کچھ آشکار کرنا نہیں چاہتے تھے۔

''جی' جی انکل کیوں نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم سب آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ آپ مزید کوئی کام کریں۔'' ٹونی کو اپنا مقصد پورا ہوتا محسوس ہوا اس لیے جلدی سے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اور تم یہ بھی جانتے ہو ٹونی کہ یہ فیکٹری سالار یزدانی کے والد وجاہت یزدانی اور میری مشترکہ فیکٹری ہے۔ اس لیے اس کے حصے کی بار ایسوی ایشن فیکٹری میں نے سالار کے نام کر دی ہے اور اپنا حصہ ٹرسٹ کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔''

وقار ہمدانی کے الفاظ تھے یا بم بلاسٹ اسے اپنے چاروں طرف دھماکوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جس نے اس کے سوچنے سمجھنے یہاں تک کہ قوت گویائی کو بھی سلب کر کے رکھ دیا۔ الفاظ ہتھوڑے کی طرح سماعتوں پر برسے تھے۔ جس کے باعث کچھ پل تو اسے یہ حقیقت قبول کرنے میں لگے اور پھر وہ بولا تو صرف یہی۔

''کیا کہہ رہے ہیں انکل؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا جی! آئے دن کی بیماری سے میں فیکٹری کو صحیح وقت نہیں دے پایا۔ اس لیے بیٹا میں نے یہی مناسب سمجھا لیکن تم کیوں اتنا حیران ہو رہے ہو ٹونی۔'' اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں انکل! ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکا۔ اتنی جلدی فیکٹری اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''ساری گیم' سارا کھیل ختم کر کے رکھ دیا۔ اس وقار ہمدانی نے۔ پاپا کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔'' بے حد تلخ انداز میں سوچتا گیا۔

☆☆

ماڈل ٹاؤن میں واقع چھوٹی سی کالونی ناصریہ آباد میں زیر تعمیر تقریباً ایک جیسے مکانات میں سے ایڈووکیٹ کامران کا گھر تلاش کرنے میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا' تھوڑی سی تگ و دو کے بعد وہ اب ان کے گھر کے باہر موجود تھے۔ سالار نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ چند لمحوں بعد قدموں کی چاپ کے ساتھ دروازے کے پار ایک نسوانی آواز ابھری۔

''کون؟''

''ایڈووکیٹ کامران صاحب کا گھر یہی ہے؟'' سالار نے پوچھا۔

''جی یہی ہے مگر آپ کون؟'' آواز دوبارہ ابھری۔

''میں اے ایس پی سالار یزدانی ہوں۔ آپ پلیز کامران صاحب کو بتا دیں مجھے بہت ضروری ملنا ہے ان سے۔'' سالار نے تعارف کرواتے ہی آنے کا مقصد بیان کیا۔

''بابا! کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں۔ آپ پھر کسی وقت آ جایئے گا۔'' لڑکی کے لہجے میں در آنے والی لڑکھڑاہٹ سالار اور جبران دونوں نے محسوس کی۔

''دیکھیں محترمہ۔'' اب کے جبران تیزی سے آگے بڑھا۔ مبادا وہ واپس ہی نہ لوٹ جائے۔

"ہمیں بہت ضروری ملنا ہے ان سے۔ ہم ان کا زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ پلیز اگر آپ ان سے جا کر کہہ دیں تو بے حد مشکور ہوں گے آپ کے۔"

جبران کے نرم اور التجا آمیز انداز میں کہنے پر وہ واپس مڑ گئی اور بغیر کچھ کہے ان کے لیے دروازہ کھول دیا۔

دونوں نے جلدی سے قدم اندر رکھا اور لڑکی کی رہنمائی میں ایک چھوٹے سے کمرے میں آ گئے۔ جہاں چارپائی پر ایک بوڑھا کمزور لاغر شخص چادر گھٹنوں تک پھیلائے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شاید وہی ایڈووکیٹ کامران تھا۔ اس قدر بڑھاپے میں بھی چہرہ ذہانت کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔

وہ لڑکی شاید اس کی بیٹی تھی۔ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اس شخص کے سرہانے انہیں پکارنے لگی۔ ان کی آنکھیں کھولنے پر سہارے سے بٹھایا اور خود بھی پاس بیٹھ گئی۔

"بابا! یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔" لڑکی نے ان دونوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا تو وہ بغور انہیں دیکھنے لگے۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"کون ہو بیٹا اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟" انہوں نے نقاہت سے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"میرا نام اے ایس پی سالار یزدانی ہے۔ وجاہت یزدانی کا بیٹا۔" سالار نے تعارف کروایا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹیں۔

"کون وجاہت یزدانی؟"

"وہی وجاہت یزدانی جس کو آج سے چودہ سال پہلے زبیر احمد نے دولت کے لالچ میں محض فیکٹری حاصل کرنے کے لیے فائرنگ کر کے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اسی وجاہت یزدانی کا بیٹا ہوں میں' جس کے بہت اچھے وکیل اور دوست تھے آپ۔"

سالار نے انہیں باور کروایا تو گزرے واقعات کا ایک ایک منظر انہیں اپنی آنکھوں میں رقص کرتا محسوس ہوا۔ وجاہت یزدانی کا بیٹا تمام تر حقیقتوں سمیت ان کے سامنے موجود تھا۔ انہیں یقین کرنے میں کچھ پل لگے۔

"کامران انکل! مجھے اس وقت آپ کی مدد کی سخت ضرورت ہے۔ میرے پاس صرف آپ ہی وہ واحد شخص بچے ہیں جو زبیر احمد کے خلاف گواہی دے سکتے ہیں۔" ان کے دونوں ہاتھ تھامے سالار التجا آمیز لہجے میں بولا۔

زبیر احمد کے نام پر سالار یزدانی کے مضبوط ہاتھوں میں تھامے ایڈووکیٹ کامران کے کمزور ہاتھ کانپے۔

"نہیں' نہیں بیٹا! زبیر احمد کے خلاف میں گواہی نہیں دے سکتا۔ تم نہیں جانتے وہ کتنا خطرناک ہے۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ اسے میں عزت سے اپنے گھر کا دیکھنا چاہتا ہوں تم نہیں جانتے اس شخص کو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے تم لوگ جاؤ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" خوف سے کانپتی آواز میں انہوں نے خود سے پاس بیٹھی بیٹی کو ایسے بازوؤں میں بھر کر سینے میں چھپا لیا جیسے زبیر احمد واقعی میں ان کی بیٹی کی عزت تار تار کرنے چلا ہو۔

جبران نے آگے بڑھ کر انہیں کاندھے سے تھام لیا اور حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔

"دیکھیں انکل! ہم قانون کے محافظ ہیں۔ عزتوں کی پاسداری کرنا جانتے ہیں۔ زبیر احمد کے خلاف بے شمار شواہد اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں لیکن ہم اس پر وجاہت انکل اور رابعہ آنٹی کے قتل کیس میں ثبوت اور گواہوں سمیت ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اور آپ ہی وہ واحد گواہ ہیں جو زبیر احمد کو پکڑوانے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں اور زبیر احمد کی طرف سے تمام خدشات دل سے نکال دیں۔ آپ یا آپ کی بیٹی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا دوں گا اسے میں۔"

جبران نے انہیں بھرپور یقین دلایا تو آہستہ آہستہ ان کا خوف بھی کم ہونے لگا۔ آہستگی سے بیٹی کو علیحدہ کیا' اور پھر ہر طرح کے خوف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ بولے۔

"میں زبیر احمد کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہوں۔ ویسے بھی بہت سے حساب بے باک کرنے ہیں مجھے۔ اپنی اذیتوں اور کرب ناک زندگی کا حساب لینا ہے اس سے۔ میں دوں گا گواہی ضرور دوں گا۔" ان کا مضبوط' اٹل لہجہ پل بھر میں دونوں کو حیران کر گیا مگر اگلے پل دونوں نے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

☆☆☆

زبیر احمد' عالیہ اور ٹونی ڈرائنگ روم میں پڑے بڑے سے صوفے پر شاک کی سی کیفیت میں بے حس و حرکت وجود لیے بیٹھے تھے۔ فیکٹری ہاتھ سے نکل جانے کا اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا جتنا مشال اور سالار کے نکاح کی خبر سن کر ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔

کچھ دیر پہلے زبیر اور عالیہ بیگم ٹونی اور مشال کی بات پکی کرنے "ہمدانی ہاؤس" پہنچے۔ جہاں وقار ہمدانی نے انہیں مشال اور سالار کے درمیان بندھنے والے بندھن کا بتایا۔ زبیر احمد اور عالیہ کو لگا جیسے کمرے کی چھت دھڑام سے ان کے اوپر آن گری ہو۔ اتنی جلد بازی الٹ جائے گی۔ کھیل سارا ختم ہو جائے گا گھر آئی دولت ایسے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ انہیں اندازہ نہ تھا۔ اس وقت سے اب تک وہ تینوں مکمل طور پر شاک کی کیفیت میں تھے۔ اس کیفیت کو سب سے پہلے ٹونی نے توڑا۔

"یہ سب سالار یزدانی کی وجہ سے ہوا ہے ڈیڈ! اگر وہ نہ ہوتا تو آج ہم یوں سب کچھ گنوا کر نہ بیٹھے ہوتے۔ اسے تو میں وہ مزا چکھاؤں گا کہ سدا یاد رکھا گا۔"

☆☆

"ہمدانی ہاؤس" سے ملحقہ چھوٹا سا سرونٹ کوارٹر روشنی اور قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ آج گل مینہ کی مہندی تھی۔ پورا ہمدانی ہاؤس اس وقت مہندی میں شریک تھا۔ اورنج کلر کے چوڑی دار پاجامے میں خوبصورتی کا مکمل شاہکار بنی وہ گل مینہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ جب فون کی گھنٹی بجی۔ مشال نے بیگ سے موبائل نکالا' نمبر دیکھا اور اسے کان سے لگا لیا۔

"مشال! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ میں اس وقت تمہارے گھر پر ہوں پانچ منٹ میں پہنچو۔" جواب سننے کی زحمت گوارہ کیے بغیر فون بند کر دیا گیا۔

"ایسا بھی کیا ضروری کام پڑ گیا ٹونی کو۔ جانتا بھی ہے آج گل مینہ کی مہندی ہے پھر بھی۔"

گل مینہ کو بتا کر رحمان بابا سے گھر کی چابیاں لیں اور گیٹ کی طرف چل دی۔ لان عبور کر کے وہ راہداری میں آئی۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔ اندر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

"ٹونی کو لائٹس تو آن کرنی چاہیے تھیں۔" آگے بڑھ کر جلدی سے لائٹس آن کیں۔

"ٹونی۔" اس کی آواز سناٹے میں گونجی۔

دو تین بار پکارنے پر بھی کوئی جواب نہ آیا تو وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں عبور کرتے اچانک ایک خیال ذہن میں کوندا۔

"چابیاں تو رحمان بابا کے پاس تھیں پھر ٹونی اندر کیسے آیا۔"

یہ خیال عجیب سے وسوسے اور وہم پیدا کر رہا تھا دماغ میں۔ ایک انجانے خوف کا احساس اپنے اردگرد

سرائیت کرتا محسوس ہوا۔
اسی انجانے خوف کے سہارے جب کمرے کے پاس پہنچ کر دروازے کی ناب گھمائی تو اچانک پیچھے سے کسی نے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھا اور پوری قوت سے اندر کی جانب دھکیلتا چلا گیا۔

☆☆

''گل مینہ! مشال کہاں ہے؟'' سالار کوئی تیسری چوتھی بار پورے سرونٹ کوارٹر کا چکر لگانے کے بعد اب گل مینہ کے سر پر کھڑا مشال کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔
''مشال بی بی! تو گھر گئی ہیں کوئی فون آیا تھا ان کا۔'' گل مینہ نے بتایا۔
''گھر کیوں گئی ہیں؟ کس کا فون تھا؟'' تشویش سے پوچھا۔
''پتہ نہیں' شاید ٹونی صاب کا تھا کہہ رہیں تھیں آدھے گھنٹے تک آ جائیں گی۔''
ٹونی کے نام پر وہ یکدم الرٹ ہو گیا۔ غصے سے دونوں مٹھیاں بھینچیں۔ وجیہہ چہرے پر یکدم کرختگی چھا گئی۔ نقوش تن گئے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ سرونٹ کوارٹر کے گیٹ کی جانب تیزی سے بھاگتا چلا گیا۔
مین گیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر تیزی سے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا مگر باہر کی طرح یہاں پر بھی مکمل خاموشی اور سناٹا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا مشال کی خوف سے چیختی آواز نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔
''ٹونی! میں تم سے کہہ رہی ہوں میرے قریب مت آنا۔''
سیڑھیوں سے باہر کھڑا سالار اس آواز پر ششدر رہ گیا مگر اگلے پل وہ تیزی سے مشال کے کمرے کی جانب بڑھا۔ دروازے کی ناب گھمائی مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔
''ٹونی! دروازہ کھولو۔'' اشتعال کی ایک لہر پورے وجود میں عود آئی۔
''بہت کر لیا تماشا تم لوگوں نے اور بہت کھیل لیا کھیل۔ اب جو تماشا میں بنواؤں گا تمہاری بیوی کا سالار یزدانی کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے تم۔''
اس کی خباثت سے چور آواز اور بے باکانہ لہجہ باہر کھڑے سالار یزدانی کو اندر تک تپا گیا۔ جب کہ سالار کی آواز پر مشال اسے پرے دھکیلتی تیزی سے اسے پکارتی دروازے تک آئی مگر ٹونی نے اسے راستے میں اچک لیا۔
''ٹونی! مشال کو ہاتھ مت لگانا ورنہ......'' غصے سے ہینڈل کو تیزی سے اندر کی جانب دھکیلتے ہوئے وہ چنگاڑا۔
مشال کے رونے اور چیخنے کی آوازیں خاموشی اور سناٹے میں پورے ''ہمدانی ہاؤس'' میں گونجتی محسوس ہو رہی تھیں اور باہر کھڑا سالار بے بسی سے دروازے کو ٹھوکروں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ کسی خیال کے تحت وہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ جبران کا نمبر ملایا۔ اسے صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد اب وہ کچن میں کوئی مطلوبہ چیز تلاش کرنے لگا۔ اچانک اسپون اسٹینڈ میں پڑے چھوٹے سے چاقو پر اس کی نظر پڑی۔ جلدی سے اسے اٹھایا اور تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سیڑھیاں عبور کر کے کمرے تک آتا۔ ایک دھماکے سے دروازہ کھلا۔
ڈری سہمی مشال ہمدانی بھاگتی ہوئی دوپٹے سے بے نیاز پسینے میں شرابور روتے ہوئے سالار یزدانی سے

بری طرح سے ٹکرائی۔ اس نے گرنے سے پہلے ہی اسے تھام کر اپنے مضبوط حصار میں لے لیا۔ مشال کی حالت اس کے حواس معطل کر رہی تھی۔ آنکھوں میں وحشت کی سرخیاں در آئیں جو سالار یزدانی جیسے خوبرو شخص کی شخصیت کو بہت وحشت زدہ بنا رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اوپر جا کر اس کی اچھی خاصی درگت بناتا ٹونی کی آواز پر چونکا جو سیڑھیوں کے بیچوں بیچ اس پر پستول تانے کھڑا تھا۔
''مشال! کو میرے حوالے کر دو سالار ورنہ بھون کر رکھ دوں گا۔''
''رکھ دو بھون کر۔ میں بھی دیکھوں کتنی ہمت ہے تم میں۔ تم جیسے انسان سے یہی توقع رکھی جا سکتی ہے۔'' مشال کو خود سے آہستگی سے علیحدہ کرتے ہوئے خونخوار لہجے میں وہ بولا۔
''میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں گولی چلا دوں گا۔'' اس نے پھر وارننگ دی۔
''چلاؤ......''
اس کے کہنے کی دیر تھی۔ تڑتڑ کرتی تین چار گولیاں سالار کے سینے میں پیوست ہو گئیں۔ خون میں نہایا سالار سینے پر ہاتھ رکھے زمین پر گرتا چلا گیا۔ مشال چیختی ہوئی اس کے بے جان ہوتے وجود سے لپٹ گئی۔
ٹونی نے چیختی چلاتی مشال ہمدانی کو ایک بار پھر بازو سے پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر کی جانب پیش قدمی کی۔ اس سے پہلے کہ وہ لان عبور کر کے گیٹ کی طرف بڑھتا۔ سائرن کی آواز نے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ مشال ہمدانی کو وہیں پھینکا اور آس پاس مضطرب انداز میں فرار کا راستہ تلاش کرنے لگا۔
رات کے اندھیرے میں پھرتی سے امرود کے درخت پر چڑھ کر ہمدانی ہاؤس کی اونچی بلند و بالا دیوار پھلانگ کر فرار ہونے کی کوشش جبران کی عقابی نگاہوں نے ناکام بنا دی۔ جبران کی ایک گولی نے اسے پل بھر میں ڈھیر کر دیا۔
''بس ٹونی! تمہارا کھیل ختم لے جاؤ اسے۔''
اپنے سپاہیوں کو ہدایت دیتا وہ اب مشال کی طرف آیا مگر وہ ہوش میں کب تھی۔ ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسے گاڑی میں ڈالا اور ایک بار پھر سے اندر کی جانب دوڑ لگا دی مگر اندر کا منظر دیکھ کر آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

☆☆

میں اداس رستہ ہوں شام کا مجھے آہٹوں کی تلاش ہے
یہ ستارے سب ہیں بجھے بجھے مجھے جگنوؤں کی تلاش ہے
وہ جو ایک دریا تھا آگ کا بس راستوں سے گزر گیا
مجھے کب سے ریت کے شہر میں نئی بارشوں کی تلاش ہے

آج اسے شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ مرد کیا ہے؟ اس کی فطرت میں چھپی سرشت کیا ہے؟ اس کا اصل روپ تنہائی میں کیا ہے؟ اس کی شیطانی فطرت تنہائی میں کتنا بڑا طوفان لے کر آتی ہے۔ اسے اب اندازہ ہوا تھا۔ عورت کی عزت تو نازک آبگینے کی طرح ہوتی ہے۔ جو ذرا سی ٹھیس لگنے پر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔
ٹونی کے رویے نے اسے بری طرح سے ٹھیس پہنچائی تھی مگر سالار یزدانی نے اب کی بار بھی اسے ٹھیس لگنے سے پہلے ہی بچا لیا تھا۔ ٹونی جیسے درندہ صفت انسان سے عزت تو بچا آئی تھی لیکن سالار کی نظروں میں اپنی پاکیزگی کا بھرم قائم نہ رکھ سکی۔

پاپا نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ دنیا وحشی درندوں اور بھیڑیوں سے بھری پڑی ہے مگر یہاں تو سگے رشتوں نے اس کے اعتماد کی دھجیاں اڑائی تھیں۔ کتنا منع کیا تھا سالار نے اسے ٹونی کو ملنے سے مگر وہ اپنی انا کے چکر میں اس کے غرور کو پاش پاش کرنے چلی تھی۔ آج اس کا سارا غرور ساری انا کسی بڑے طوفان کی زد میں دب کر رہ گئے۔ سچائی ایک بھیانک خواب کی طرح اس کے سامنے آئی تو وہ شرمندگی کے گہرے غبار میں لپٹتی چلی گئی۔

''مشال بیٹا! اتنی ٹھنڈ میں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

مہندی کلر کے سادے سے سوٹ پر اس کے ہم رنگ شال کو اپنے گرد لپیٹے سوچوں میں غرق وقار ہمدانی کی آواز پر وہ چونکی۔ جھکی نگاہیں اٹھا کر وقار ہمدانی کو دیکھا جو لان میں پڑی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

''نیند نہیں آ رہی پاپا۔''

آنکھوں میں نمی یکدم تیرنے لگی۔ جسے چھپانے کی کوشش میں سر جھکا لیا۔ مسلسل اشک شوئی سے آنکھیں حد درجہ سرخ ہو رہی تھیں۔ اندرونی اضطراب کا عکس چہرے پر پڑ رہا تھا۔

وقار ہمدانی بے خبر نہیں تھے بیٹی سے۔ ان چند دنوں میں ہی وہ بدلی بدلی سی نظر آ رہی تھی۔ شرمندگی، ندامت، اضطراب، احساس جرم کچھ نظر نہیں آیا انہیں مشال کے رویے میں۔ اپنی بیٹی کو اس حالت میں چھوڑ کر وہ کیسے پرسکون نیند سو سکتے تھے۔

''سونے کی کوشش کیا کرو مشال۔'' وہ بے حد دکھ سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

''پاپا! مجھے لگتا ہے شاید میں ساری زندگی نہ سو پاؤں۔'' اس نے دکھ سے سوچا۔

''پاپا! آپ نے اپنی بیٹی کو معاف تو کر دیا ہے ناں۔''

لہجے میں اس قدر رنج، بے چارگی اور دکھ تھا کہ وقار ہمدانی ایک جھٹکے سے کرسی پر سے اٹھے اور مشال کا سر سینے سے لگا کر خود بھی بے اختیار رونے لگے۔ جذبات کا طوفان تھما تو اس کا سر آہستگی سے خود سے علیحدہ کیا۔ آنسو پونچھے اور اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے بولے۔

''بیٹا! معافی اس سے مانگو جس کی گناہ گار ہو۔ مجھے امید ہے وہ تمہیں معاف کر دے گا۔'' کہتے ہوئے وہ رکے نہیں اور تیزی سے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔

☆☆

''اوئے جگر کیا حال ہے؟''

بیڈ پر نیم دراز کمبل ٹانگوں پر پھیلائے وہ کوئی کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔ جب جبران ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر داخل ہوا اور خوشدلی سے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں اب۔'' کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ نقاہت سے بولا۔ ساتھ ہی ساتھ کمبل سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی بنا دی۔

''یار! واقعی میں اللہ کا بے حد کرم ہے جس نے تیری زندگی بچائی۔ وہ چاہے تو کیا نہیں کر سکتا۔ بے شک اس کی ذات معجزات والی ہے۔ جو معجزہ کرتے دیر نہیں کرتی۔ ورنہ ٹونی نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی تجھے مارنے میں اور خود دیکھ برائی کرنے والوں کے ساتھ کیسا انجام کیا اس نے۔ دولت کے لالچ میں زبیر احمد اتنا اندھا ہو گیا کہ اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے اکلوتے سپوت کو بھی کھو بیٹھا اور اس کے باوجود اس کے ہاتھ

خالی کے خالی رہ گئے۔ ٹونی کی موت نے سارے حواس کھو دیے اس کے۔ بیچارا پاگلوں کی طرح ٹونی کو آوازیں دیتا پھرتا ہے۔ یہی انجام ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والوں کا۔''

''ہاں یار! ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔ بے شک اس رب الرحیم کی ذات ہی سب سے بڑی منصف ہے۔ سزا اور جزا کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ وہ چاہے تو خطا کرنے والوں کو دنیا میں ہی سزا کا حق دار ٹھہرا سکتا ہے۔ جیسے زبیر احمد اور ٹونی کے ساتھ ہوا۔ دنیا میں ہی انہیں ان کے کیے کی سزا مل گئی۔'' سالار نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''اچھا! ان سب کو چھوڑ، انہوں نے تو جو کیا اس کی سزا مل گئی انہیں تو یہ بتا دوبارہ جوائن کب کر رہا ہے۔ یار بہت مس کر رہے ہیں سب تجھے۔''

''بس سوچ رہا ہوں ایک دو دن تک جوائن کر لوں۔ یار تھک گیا ہوں مسلسل بیڈ ریسٹ کرتے کرتے۔''

ایک بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے دونوں بازو بیڈ کی پشت سے ٹکا کر سر ان پر رکھتے ہوئے بولا۔ بوریت، اکتاہٹ، بیزاریت چہرے سے عیاں تھی۔

''واپس آ جا تو اچھی بات ہے۔ ورنہ سارا اسٹاف جس طرح تجھے مس کر رہا ہے اس سے تو مجھے لگتا ہے کسی دن وہ دن دیہاڑے تجھے گاڑی میں ڈال کر تیری سیٹ پر بٹھا کر ہی دم لیں گے۔'' جبران نے اسے دھمکایا تو سالار کا بھرپور قہقہہ کمرے میں گونجا۔

اسی دوران رحمان بابا چائے لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ جبران کو سلام کرتے ہوئے ٹرے میز پر رکھی اور چائے بنانے لگے۔

''خوش کر دیا رحمان بابا! اتنی سردی میں شدید طلب ہو رہی تھی چائے کی۔'' دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر سردی کی شدت کم کرتے ہوئے وہ بولا۔ رحمان بابا نے چائے اس کی جانب بڑھائی۔ جبران نے جلدی سے تھام لی۔ دوسرا کپ سالار کو پکڑا دیا۔

''واہ...... رحمان بابا کیا زبردست چائے بنائی ہے دل خوش کر دیا۔'' جبران چائے کا سپ لیتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔

''میں نے کہاں بنائی ہے بیٹا یہ تو مشال بٹیا بناتی رہی ہیں۔ ذرا سا بخار تھا مگر وہ تو کوئی کام نہیں کرنے دیتی ہیں مجھے۔'' بابا نے بتایا تو سپ لیتے سالار کو یوں لگا جیسے کوئی کڑوی چیز اس کے حلق سے نیچے اتری ہو۔ غصے سے پیالی سائیڈ ٹیبل پر پٹخی جبران نے بے حد غور سے اس کی بدلتی کیفیت نوٹ کی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' بابا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں بابا! آپ چائے لے جائیں میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' اپنی کیفیت پر کافی حد تک قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

رحمان بابا نے پیالی اٹھا کر ٹرے میں رکھی اور باہر نکل گئے۔

''یہ تجھے کیا ہو گیا اچانک؟'' بابا کے جاتے ہی جبران نے اس کے سرد مہر چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' آہستگی سے کہتے ہوئے ٹیبل پر سے کتاب اٹھائی اور صفحے الٹنے لگا۔

☆☆

ڈائننگ ٹیبل پر جھکا وہ مسلسل ایک گھنٹے سے فائلیں سامنے پھیلائے کام میں مصروف تھا۔ جب ہلکی سی آہٹ کے ساتھ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک اشتعال آمیز لہر پورے وجود میں سرائیت کر گئی۔ بے دردی سے چیئر کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑا پوائنٹر میز پر پٹخا اور غصے سے چلتا ہوا اس کے عین سامنے کھڑا ہوا۔

''کیوں آئی ہیں آپ یہاں؟'' وہ چنگاڑا۔

کمرے کے بیچوں بیچ بلیک شال اپنے گرد لپیٹے مشال یزدانی اس کی چنگاڑ پر جی جان سے لرز گئی۔ سالار نے بے بسی سے ایک نظر اس کے کانپتے وجود پر ڈالی اور رخ پھیر لیا۔

''آئی ایم سوری سالار۔'' مشال نے روتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے۔

''بس کر دیں مشال بی بی! یہ ڈھونگ کسی اور کے سامنے کریئے گا۔ میں اب آپ کے آنسوؤں سے پگھلنے والا نہیں۔ آپ نے جو میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے وہ ناقابل معافی ہے۔ آپ کے رویے سے کتنا ٹوٹ گیا ہوں میں اندر سے' اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے چلی جائیں یہاں سے مجھے کوئی بات نہیں سننی ہے آپ کی۔''

''میں تو صرف اس کی بات سننے گئی تھی سالار! مجھے کیا پتہ تھا کہ......'' سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''کیوں بھول گئیں تمھیں اس کی نوازشات۔''

وہ پوری قوت سے دھاڑا۔ اضطراب کی سرخیاں آنکھوں اور چہرے پر عیاں ہونے لگیں۔ جذبات کا ایک زبردست طوفان وجود میں ہچکولے کھانے لگا۔ جیسے ساری دنیا تہس نہس کر ڈالے گا۔

اور اس لمحے مشال ہمدانی شرمندگی کے طوفان میں گرتی چلی گئی۔ سالار کے ان چند لفظوں نے اسے عرش سے فرش پر پٹخ دیا۔ ساری سوچیں' خیالات' جذبات منجمد ہو کر رہ گئے۔ اس شخص کی نظروں میں وہ سرخرو ہی کب تھی سالار کی اس بات نے اسے سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا۔

☆☆

بلیک پینٹ پر ریڈ بارڈر والی ہائی نیک سوئیٹر پہنے دونوں ہتھیلیاں رگڑتا وہ کچن میں داخل ہوا۔ ناشتے کی ٹیبل پر مشال کو بیٹھا دیکھ کر غصے سے تیوری چڑھائی اور بابا کی طرف بڑھا۔ جو ناشتے میں حلوہ پوری بنانے میں مصروف تھے۔

''بابا! میں اپنے کمرے میں ہوں۔ میرا ناشتہ وہیں پہنچا دیں۔ پلیز ذرا جلدی میں آگے ہی لیٹ ہو رہا ہوں۔''

رحمان بابا کو ہدایت دیتا وہ تیزی سے مڑا۔ اس پر ایک ترچھی نگاہ ڈالی اور کچن سے باہر آگیا۔ سالار کے جاتے ہی اس نے روکا ہوا سانس باہر کھینچا۔ ناشتے سے ہاتھ تو وہ کب کا کھینچ چکی تھی۔ سالار کے رویے سے آنکھیں بے اختیار برس پڑتی تھیں۔ آج کل تو ویسے ہی اسے بات بے بات رونا آرہا تھا۔ آنسو جیسے ہر پل باہر آنے کو بے تاب رہتے۔

رحمان بابا کی نظریں اس پر پڑیں تو قریب چلے آئے اور آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

مگر اسے کیوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا......

پھر اس شام وہ گھر لوٹا تو اکیلا نہیں تھا۔ ایک الٹرا ماڈرن لڑکی بلیو جینز میں وائٹ شرٹ پہنے' تراشیدہ بال' پینسل ہیل اور ہاتھ میں کی چین گھماتی سالار کے ساتھ کسی بات پر قہقہہ لگاتی گاڑی سے اتری اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتی لان میں داخل ہوئی۔ جہاں مشال اور وقار ہمدانی شام کی چائے پینے میں مشغول تھے۔ مشال نے جلدی سے آخری گھونٹ بھرا اور کپ میز پر رکھ دیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ان کے بے حد قریب پہنچ گئے۔

''انکل! یہ سارا ہے' جبران کی کزن۔ حال ہی میں پڑھائی کمپلیٹ کر کے انگلینڈ سے واپس آئی ہے اور سارا یہ ہیں وقار انکل جن کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔''

سالار نے تعارف کروایا تو وہ جھکنے کے سے انداز میں آگے بڑھی۔ وقار ہمدانی نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔ سالار' جبران اور سارا کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ جبران کے ریفرنس سے ان کے درمیان بھی بے تکلفی کا عنصر موجود تھا۔ جبران اور سارا کی منگنی بچپن سے طے تھی۔ اب جب کہ سارا اپنی پڑھائی کمپلیٹ کر چکی تھی اس لیے دونوں کی شادی متوقع تھی۔

''انکل! آپ واقعی میں بہت سویٹ ہیں۔ جبران اور سالار سے آپ کی اتنی باتیں سنی ہیں کہ مجھے تجسس ہو گیا آپ کو دیکھنے کا۔ آپ واقعی میں بہت ڈیشنگ ہیں انکل۔'' سارا نے کھلے دل سے ان کی تعریف کی تو وہ مسکرا دیئے۔

''یہ تو ان بچوں کی محبت ہے۔ آپ لوگ ایسا کرو بیٹے کہ باتیں کرو میں ذرا نماز پڑھ لوں۔'' کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے اٹھتے ہی سالار بھی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سارا سے مخاطب ہوا۔

''چلو سارا! کمرے میں چلتے ہیں۔ وہیں باتیں کریں گے۔ بہت گھٹن ہے یہاں۔''

''کہاں گھٹن ہے سالار! اچھا خاصا تو موسم ہے۔ میرے خیال میں یہیں بیٹھنا چاہیے۔'' اسے سالار کی گھٹن والی بات بے حد [illegible]۔ سردی کی شدت اگرچہ زیادہ تھی مگر حبس' گھٹن ہرگز نہ تھی۔

''تم نے چلنا ہے یا نہیں؟'' انداز دھمکانے والا تھا۔

''اچھا! ٹھیک ہے چلتی ہوں' مگر ان کا تو تعارف کروا دو سالار۔''

سارا نے بے حد گم صم' چپ چپ' اداس اور الگ تھلگ بیٹھی مشال ہمدانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ جسے سالار مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

''یہ اپنا تعارف خود کروا سکتی ہیں۔'' سالار کے چبھتے لہجے کو سارا نے بھی محسوس کیا۔

''ایک ٹوٹی ہوئی لڑکی جو خود کو سمیٹنے کی جستجو میں ہے۔''

لہجے میں نہ جانے کیسی بے بسی' دکھ' اضطراب تھا کہ سارا کے ساتھ ساتھ اندر کو جاتا سالار یزدانی بھی ایک پل کو وہیں ٹھہر گیا۔

سارا نے اپنی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا تعارف سنا ہو۔ اس لیے تو ایک پل کو وہ بھی وہیں ٹھٹک گئی مگر پھر فوراً ہی اس سے گویا ہوئی۔

"آپ وقار انکل کی بیٹی ہیں؟" مشال نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے مشال نے تھام لیا۔

"اب چلو بھی کیا یہیں وقت گزارنے کا ارادہ ہے۔" سالار وہیں سے چلایا۔

"آ رہی ہوں بھئی! ایک تو یہ بھی ناں! اب ملاقات رہے گی آپ سے اگر اس سالار کے بچے نے چھوڑ دیا تو۔" جلدی سے کہتی ہوئی سالار کے پیچھے ہولی۔

مشال کو نہ جانے کیوں اس کے جاتے ہی عجیب سی رقابت کا احساس ہونے لگا اس سے حالانکہ بائے نیچر بری نہیں لگی تھی اسے مگر نہ جانے کیوں سالار کے ساتھ اسے دیکھ کر حسد کے جذبات جنم لینے لگے تھے۔ اچھے خاصے موسم میں بھی دم گھٹنے لگا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

رطابہ کی شادی چھوٹی عید کے فوراً بعد متوقع تھی۔ اس لیے تہمینہ نے وقار ہمدانی کو کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد بلوا لیا کہ رمضان کی آمد سے پہلے پہلے بھائی کی موجودگی میں چند ضروری فرائض سے ہر حال میں بری الذمہ ہونا چاہتی تھیں۔ انہوں نے تو مشال کو بھی آنے کا کہا مگر وقار ہمدانی کچھ سوچ کر اسے ساتھ نہ لائے اور مشال کو بھی دانستہ اس بات سے بے خبر رکھا۔

☆☆

آج ان کو گئے تیسرا روز تھا۔ مشال کا بوریت سے برا حال تھا۔ سالار سے تو ویسے ہی اس کی بات چیت بند تھی۔ گل مینہ کو شادی کے باعث ایک مہینے کی چھٹی خود دے رکھی تھی اس نے۔ لے دے کے رحمان بابا رہ گئے تو ان سے کتنی دیر جی بہلا سکتی تھی اپنے بیڈ پر لیٹے لیٹے اچانک ایک خیال ذہن میں کوندا۔ بستر سے اٹھی۔ سادہ سے گرم سوٹ پر سوئیٹر پہنا' ہلکی سی چپل پیروں میں پہنی' بالوں کو کس کر جوڑے کی شکل دی۔ ڈسٹنگ کے لیے کپڑا اٹھایا اور پورے گھر کی صفائی کا سوچتے ہوئے سالار کے کمرے کی جانب بڑھی۔ اپنا کمرہ تو وہ تقریباً روز ہی صاف کرتی پاپا کا کمرہ لاک تھا اس لیے سب سے پہلے اس کے کمرے کی جانب پیش قدمی کی۔ سب سے پہلے بکھری ہوئی چیزیں سمیٹیں۔ بکس اٹھا کر ریک میں رکھیں۔ بیڈ کی چادر جھاڑ کر پھر سے بچھائی۔ الماری میں ٹنگے کپڑوں کی ترتیب درست کی گندے کپڑے مشین میں ڈالے۔ پورا کمرہ چمکانے کے بعد اب وہ دروازے کے پاس کھڑی اپنی کارکردگی کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک طمانیت اور سکون بھرا احساس سر سے پاؤں تک وجود میں سرائیت کر رہا تھا۔ سالار کے کمرے کی صفائی کر کے ایک بے حد انوکھی خوشی کا احساس ہوا تھا اسے۔ جسے وہ لفظوں میں بیان نہیں کر پا رہی تھی اور شاید کرنا بھی چاہتی تو نہ کر پاتی۔ انگ انگ سے خوشی کیسے پھوٹتی ہے اسے اب اندازہ ہوا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مشال ہمدانی! تم محبت کرنے لگی ہو اس شخص سے بے وجہ تمہاری سوچوں پر حاوی ہونے لگا ہے وہ۔ اپنے تمام تر ظالمانہ رویے کے باوجود طمانیت بھرا احساس اجاگر کرنے لگا ہے تمہارے اندر۔" اس کا کام کر کے جو نیا پن اور انوکھی خوشی جاگی تھی جسے وہ خود کوئی نام دینے سے قاصر تھی بے وجہ نہیں تھی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک مسکراتی نگاہ پورے کمرے میں ڈالی اور باہر آ گئی۔ باقی کے کمروں' ڈرائنگ روم ٹی وی لاؤنج' کچن اور لان کی صفائی کے بعد نہا کر کپڑے بدلے اور بیڈ پر بیٹھ کر ناول پڑھنے لگی۔

ابھی صرف پندرہ بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ جب ایک زوردار دھماکے سے اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور سالار کی دھاڑتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میرے کمرے کی صفائی آپ نے کی ہے؟" مشال کے انتہائی قریب سر کے عین اوپر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

مشال نے رکے ہوئے سانس کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ حلق سے آواز نکلتی تو کچھ بولتی۔ سالار یزدانی کے غصے سے بھرپور چہرے نے ہی اس کی ساری جان ہوا کر دی۔

"میرے کمرے میں آیئے۔"

آرڈر دے کر یہ جا وہ جا۔ مشال دھڑکتے دل کے ساتھ ڈرتے ڈرتے اس کے کمرے میں پہنچی تو اندر کی حالت دیکھ کر اسے سچ مچ ایک لمحے کو رونا آ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے تک نفاست و مہارت سے سجا کمرہ اس وقت کباڑ خانہ نظر آ رہا تھا۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ بے ہوش ہونے کو تھی مگر اس سے پہلے ہی سالار نے اسے بازو سے کھینچ کر اندر دھکیلا اور کنڈی لگا دی۔

"کس کی اجازت سے آئی تھیں آپ میرے کمرے میں؟ اور کس سے پوچھ کر آپ نے اس کمرے کی صفائی کی ہے؟" اپنے ہاتھ کا پورا پنجا اس کی نازک کلائی میں گاڑتے ہوئے بے دردی سے اسے جھٹکتے ہوئے انتہائی غصے سے پوچھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔ درد ہو رہا ہے مجھے۔"

تکلیف کی شدت سے وہ کراہ اٹھی۔ اپنی کلائی پر سے اس کے مضبوط ہاتھ کی گرفت چھڑاتے ہوئے بھیگتے لہجے میں بولی۔ درد سے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

"پہلے میری بات کا جواب دیں۔" اس کی تکلیف کو پس پشت ڈال کر گرفت اور مضبوط کی۔

"اپنی مرضی اور خوشی سے آئی تھی میں یہاں اور مجھے آپ کے کمرے میں آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ بیوی ہوں میں آپ کی' پورا حق ہے میرا آپ پر۔" ایک جھٹکے سے کلائی اس کی گرفت سے آزاد کی اور پھٹ پڑی۔

"آپ تو اس نکاح کو مانتی ہی نہیں تھیں۔ پھر یہ اتنی بڑی تبدیلی......! کہیں سارا سے تو جیلس نہیں ہو گئیں آپ؟" سالار نے استہزائیہ لہجے میں اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میری نادانی تھی سالار! میں نہیں جانتی تھی کہ جو شخص زبردستی مجھ پر مسلط کیا گیا ہے۔ وہ بھی اچانک سے میرے روم روم میں بس جائے گا۔ جس نے میری ہستی میری پوری کائنات کو سیراب کر دیا۔ میرا جیون تو بیرنگ تھا۔ اپنی روشنیوں سے اس شخص نے رنگ بھرے ہیں اس میں۔ میں تو ایک بے کار سے انجان رستے پر چل پڑی تھی۔ اس کی محبت کی نرم ٹھنڈک نے ایک نئی منزل نئی راہ دکھائی مجھے۔ محبت کا تو کوئی موسم نہیں ہوتا سالار یزدانی۔ یہ ہر موسم کا جذبہ ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا اور اسی جذبے نے محبت کو نئے ڈھب سے بسر کرنے کی خواہش پیدا کی ہے میرے اندر۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں۔ تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر کر بے اختیار رونے لگی۔

اور دوسری طرف سالار یزدانی حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبوں کے ساتھ اس کے خوب صورت لفظوں کے اعتراف پر غور کرنے لگا۔ کتنی بھرپور اور انوکھی خوشی کا احساس ہوا تھا اس کے اعتراف سے۔ جیسے سخت سردی میں تیز دھوپ کا احساس۔ بارش کے بعد ہلکی ہلکی ٹھنڈک کا احساس۔

"آخر تم راہ راست پر آ ہی گئی جان سالار! اب فکر نہ کرو جلد ہی منا لوں گا تمہیں۔" تصور میں اس سے

مخاطب ہوتے ہوئے زیرلب مسکرایا۔

☆☆

وقار ہمدانی کو نہ جانے کیا سوجھی آتے ہی سالار اور مشال کی رخصتی کا شور مچا دیا۔ تہمینہ کو بیٹی کی شادی کے فوراً بعد شوہر کے ساتھ پیرس چلے جانا تھا۔ اس لیے شاید انہوں نے ہی ان دونوں کی رخصتی کی بات وقار ہمدانی کے ذہن میں ڈالی۔ چونکہ نکاح تو بے حد عجلت میں ہوا۔ اس لیے وہ رخصتی دھوم دھام سے چاہتے تھے۔ مشال تو سن ہی ہوگئی یہ سن کر لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا تھا۔

اس وقت وہ ریڈ پر گولڈن ستاروں والے کامدار لہنگے میں دلہن بنی سالار کے بیڈروم میں موجود تھی۔ پورے کمرے کو گلاب کی سرخ پتیوں سے خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی رطابہ اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی مشال نے وارڈ روب سے سادہ سا سوٹ نکالا۔ کپڑے چینج کیے اور کمبل اوڑھ کر لمبی تان کر سوگئی۔

رات ڈیڑھ بجے کے قریب وہ کمرے میں داخل ہوا۔ تو مشال کو یوں گہری نیند سوتا دیکھ کر ہاتھ کا مکا بنا کر دیوار پر غصے سے دے مارا۔

''شٹ یار۔''

یہ سب جبران' سارا اور رطابہ کی وجہ سے ہوا وہی اسے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر اندر آنے نہیں دے رہے تھے۔ غصے سے وارڈ روب کی جانب بڑھا کپڑے تبدیل کئے اور بیڈ کی دوسری طرف اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔

صبح مشال کی آنکھ کھلی تو سالار کو اتنے قریب دیکھ کر یکدم بوکھلا گئی جو آدھے سے زیادہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ جھنجلا کر دور ہٹنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی سالار نے اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر کے خود سے قریب کرلیا۔

''صبح بخیر۔'' اس کے کانوں میں مدھم سی سرگوشی کرتے ہوئے اس پر جھکا اور مشال کی خوب صورت آنکھوں کے ساتھ بھرپور شرارت کر ڈالی۔

مشال نے دونوں ہاتھ اس کے چوڑے سینے پر دھرتے ہوئے پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیلا اور جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں کا خوب صورت لمس وہ اب بھی اپنی آنکھوں پر محسوس کر رہی تھی مگر پھر یکدم ہی خود پر قابو پالیا۔

''میں سمجھوتے کی زندگی گزارنے کی قائل نہیں ہوں سالار یزدانی! اس لیے کہ محبت میں سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ میری طرف سے آپ کو اجازت ہے آپ سارا سے شادی کر سکتے ہیں۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں۔ جلدی سے واش روم میں گھس گئی اور باقی کے آنسو وہیں بہائے۔

''کتنی بے وقوف ہو تم مشال! میری محبت کو سمجھ کر بھی نہیں سمجھی ہو۔ اب یہ غلط فہمی بھی نکالنی پڑے گی تمہارے دل سے' اف......'' اس نے سر تھام لیا۔

☆☆

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ تھا۔ آج پندرھواں روزہ تھا۔ مشال صبح اٹھ کر رحمان بابا کے ساتھ مل کر سحری بناتی' کچن کے چھوٹے موٹے کاموں کے بعد وہ کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کرتی اور پھر لیٹ جاتی۔ سالار اس کے اٹھنے سے پہلے ہی جا چکا ہوتا۔ دن چڑھے سو کر اٹھنے کے بعد وہ شام کی افطاری کا اہتمام کرنے لگ جاتی اور رات عشاء کی نماز پڑھ کر پھر سو جاتی۔ سالار نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ چند دن بعد یہ غلط

فہمی خود اس کے دل سے نکل جاتی تھی۔

☆☆

آج انتیسواں روزہ تھا۔ کافی حد تک چاند نظر آنے کے چانسز تھے۔ جبران اور سارا افطاری سے کچھ دیر پہلے ہی ''ہمدانی ہاؤس'' پہنچے تھے۔ آج ان کی یہاں افطاری تھی اور کچھ دیر بعد چاند نظر آنے کی صورت میں انہیں اکٹھے بازار بھی چلنا تھا۔ سارا اور جبران کی عید کے چوتھے دن شادی تھی۔ اس لیے جب جبران نے افطاری کے فوراً بعد پاکٹ سے کارڈ نکال کر سالار کی طرف بڑھایا تو افطاری کے برتن سنبھالتی مشال کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ سالار نے ایک بھرپور معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ جلدی سے برتن اٹھا کر کچن میں آئی۔ اچانک ملنے والی خوشی کے نتیجے میں پیدا ہوتے حیرتوں کے پہاڑ ختم کرنے کی کوشش میں وقتاً ہاتھ منہ پر رکھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔ ساری غلط فہمیاں دل سے نکل چکی تھیں۔ یکدم دل ہلکا پھلکا ہوگیا۔ جلدی جلدی برتن سمیٹے اور چھت پر آگئی۔ ادھر ادھر چھتوں پر لوگ چاند دیکھنے میں مصروف تھے۔ اچانک ہر طرف سے ''چاند' چاند'' کا شور اٹھا۔ مشال نے فوراً آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگی۔

ابھی بس چند سیکنڈ ہی گزرے تھے۔ جب اچانک کندھے پر کسی کا لمس محسوس ہوا۔

مشال نے آنکھیں نہ کھولیں۔

بند آنکھوں سے بھی وہ اس شخص کو محسوس کرسکتی تھی۔

سالار نے اپنی ٹھوڑی اس کے کاندھے پر رکھ کر بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے دعا مانگتی مشال کے نازک ہاتھ کے نیچے دعائیہ انداز میں اپنی چوڑی ہتھیلیاں رکھ دیں۔

چند لمحے یونہی اس پر نظریں ٹکائے بند آنکھوں اور ہلتے ہونٹوں کو تکتا رہا۔

پھر جب وہ دعا مانگ چکی تو اپنی بند آنکھوں کو کھولا اور مسکراتے ہوئے سالار کی جانب دیکھا۔ جواب اس کے گرد مضبوط حصار قائم کر چکا تھا۔

''کیا مانگا؟'' اس نے پوچھا۔

''عمر بھر کا ساتھ۔'' اس کے کشادہ سینے پر سر ٹکائے دور بہت دور بدلیوں میں چھپے چاند کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیوں ابھی بھی شک ہے مجھ پر......؟'' سالار نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی جبران کی آواز پر دونوں گڑبڑائے۔ جو انہیں نیچے آنے کو کہہ رہا تھا۔

مشال جلدی سے اس کے بازوؤں سے نکلی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔ سالار نے ہاتھ بالوں میں پھنساتے ہوئے غصے سے مکا ہوا میں لہرایا۔

''یہ فضول انسان مجھے کبھی خوش نہیں ہونے دے گا۔'' اور پھر شوخیوں' شرارتوں اور محبتوں کے درمیان رات کیسے گزاری انہیں احساس نہ ہوا۔

☆☆

آج صبح سے ہی ''ہمدانی ہاؤس'' میں ہمیشہ کی طرح بھرپور افراتفری تھی۔ وقار ہمدانی اور رحمان بابا کب

سے لاؤنج میں سالار کے انتظار میں سوکھ رہے تھے۔ انہیں اکٹھے عید کی نماز کے لیے نکلنا تھا مگر سالار کے دور دور تک آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

''جلدی کریں ناں سالار! پاپا انتظار کررہے ہیں نیچے۔'' سالار کو کوئی تیسری چوتھی بار ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا دیکھ کر وہ غصے سے بولی۔

خود پر اسپرے کرتا سالار اس کی بات پر مسکرایا اور اگلے پل سارا پرفیوم اس پر چھڑک دیا۔

مشال نے غصے بھری نگاہ اس پر ڈالی اور پلٹنے لگی مگر اس سے پہلے ہی سالار نے اسے بازو سے تھام کر اپنے برابر لا کھڑا کیا۔ کچھ دیر اس کے روٹھے چہرے کو دیکھتا رہا۔

گزری رات کے دھنک رنگ ابھی رقصاں تھے چہرے پر۔ ایک مسکراتی ہوئی نگاہ بغور ان رنگوں پر ڈالی۔

پھر دھیرے سے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''میں واپس آؤں تو تم مجھے تیار ملو۔ میں مزید ناراضگی افورڈ نہیں کروں گا۔'' ہولے سے گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔

مشال مسکراتے ہوئے وارڈ روب کی جانب بڑھنے لگی۔

وقار ہمدانی' سالار' مشال' جبران' سارا' رحمان بابا بھی اس وقت ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ رطابہ اور تہمینہ کے کچھ دیر تک یہاں پہنچنے کے چانسز تھے۔ ہمدانی ہاؤس میں اس وقت پوری طرح سے عید کا سماں بندھ چکا تھا۔ مشال چھوٹے بچوں کی طرح سب سے عیدی وصول کرتی پھر رہی تھی۔

''پاپا! میری عیدی۔''

سب سے پہلے وہ وقار ہمدانی کی طرف بڑھی۔ ان کے گھٹنوں کے قریب بیٹھنے کے سے انداز میں ہاتھ آگے کیے۔

وقار ہمدانی نے بیٹی کے پرسکون چہرے کو دیکھتے ہوئے پاکٹ سے پیسے نکالے اور مشال کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

''تھینک یو پاپا۔'' خوشی سے مچلتی وہ اب رحمان بابا کی طرف آئی۔ انہوں نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ عیدی دی۔

''جبران بھائی! آپ کو بھی دینی پڑے گی عیدی۔'' اس کا اگلا ٹارگٹ جبران تھا۔ سالار کافی دیر سے مسکراتے ہوئے اس کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اتنی ساری ہو جو گئی ہے' کیا کرو گی اتنی' عیدی کا؟''

''آپ نے تو نہیں دی ناں۔''

''یار! سچی بات ہے۔ صبح صبح یہ محترمہ مجھے بری طرح سے کنگال کر چکی ہیں۔ اس لیے سوری۔'' جبران پاس بیٹھی سارا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''کتنا جھوٹ بولتے ہیں جبران! مجھے کہاں دی ہے آپ نے عیدی۔'' سارا جبران کے سفید جھوٹ پر تلملا اٹھی۔

''اچھا نہیں دی پھر کسی اور کو دی ہوگی۔'' اس کا لہجہ شرارتی ہوا۔

''جبران......'' وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چلائی تو سبھی قہقہہ لگا کر ہنسے۔

''اب تو آپ کو ڈبل دینی پڑے گی جبران بھائی' میری اور سارا دونوں کی کیوں سارا؟''

''بالکل۔''

اور جبران کو ناچار اپنی پاکٹ ہلکی کرنا پڑی۔

سب سے عیدی وصول کرنے کے بعد اب وہ ڈارک براؤن کھدر کے سوٹ میں ٹانگ پر ٹانگ دھرے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے سالار کی جانب بڑھی۔ جو کافی دیر سے اسی پر نظریں ٹکائے ہوئے تھا۔

''میری عیدی۔''

ٹی پنک کلر کے بنارسی چوڑی دار پاجامے میں' مہندی' چوڑیوں سے بھری کلائی' تراشیدہ بال شانوں پر ڈالے' بھرپور مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بہت محبت سے اس کے آگے ہتھیلی پھیلائے سالار سے وہ اپنا حق وصول کررہی تھی۔

سالار نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ جلدی سے اٹھا اور اس کے انتہائی قریب مدھم لہجے میں سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔''

''کمرے میں آؤ وہیں ملے گی۔''

کہہ کر وہ رکا نہیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

مشال نے اس حرکت پر گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہ تھا لیکن اس طرح سب کو چھوڑ کر جانا بھی مناسب نہ تھا۔

کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ سالار اسے الجھن میں ڈال کر خود فرار ہو گیا۔ ناچار وہیں بیٹھ کر سارا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اٹھے تو مشال نے بھی اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھائے لیکن ابھی آدھی سیڑھیاں ہی چڑھ پائی تھی کہ پھوپھو اور رطابہ کی آواز اسے سنائی دی۔ وہیں سے چھلانگ لگا کر ان تک پہنچی اور پھوپھو سے لپٹ گئی۔ عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئی تھیں۔ ان کے آنے سے۔ پھر سارا دن تیزی کے ساتھ گزر گیا۔

رات گئے جب وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی تو کمرے کے بیچوں بیچ سالار کو غصے سے ٹہلتے دیکھ کر اس کے قدم وہیں جم گئے۔

سالار نے ایک نظر اس پر ڈالی غصے سے جیکٹ اتاری۔ صوفے پر پھینکی اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

مشال بمشکل تمام اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس کے انتہائی قریب بیڈ پر بیٹھی۔ آنکھوں پر دھرا بازو ہولے سے ہلایا۔

''سالار......''

سالار نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا اور خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''مل گئی فرصت' کیا ضرورت تھی اب بھی آنے کی ایک ہی بار صبح آجاتیں۔'' مشال کو اس کے روٹھے لہجے پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''سالار! میں آرہی تھی اوپر پھر اچانک ہی پھوپھو اور رطابہ آگئیں۔ اب میں انہیں چھوڑ کر تو نہیں آسکتی تھی۔ انہیں بھی تو ٹائم دینا تھا۔'' اس نے صفائی پیش کی۔

''سارے جہان کے لیے ٹائم ہے میری بیوی کے پاس' ایک نہیں ہے تو میرے لیے نہیں۔'' ایک خفگی بھری نگاہ اس پر ڈال کر تکیہ اونچا کیا اور ٹیک لگائی۔

"اچھا سوری ناں، آئندہ نہیں کروں گی۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"خود تو سوری کہہ کر جان چھڑالی تم نے لیکن میری عید تو خراب کر دی ناں۔"
معصومیت سے کہی گئی بات کے پیچھے چھپا مطلب جان کر وہ شرم وحیا سے سرخ ہو گئی۔ سالار کی خود پر جمی نگاہیں دل کی دھڑکنیں بے قابو کرنے کو کافی تھیں۔
"سالار! آپ نے عیدی نہیں دی مجھے۔" اس کی خود پر سے توجہ ہٹانے کو ایک بار پھر ہتھیلی پھیلائی۔
"کیا چاہیے......؟" آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی۔
"پورا والٹ؟"
"بس؟"
مشال نے اثبات میں سر ہلایا۔
سالار نے سائیڈ پاکٹ سے والٹ نکالا اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔
"خالی تو نہیں ہے؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔
"چیک کر سکتی ہو۔"
مشال نے جلدی سے والٹ کھولا جو نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔
تشکر آمیز نگاہ اس پر ڈال کر جیسے ہی اٹھی اس سے پہلے ہی سالار نے اس کا بازو ایک جھٹکے سے پکڑا۔ مشال نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔
"اپنی عیدی تو وصول کر لی میری عیدی......"
کتنی ذو معنویت تھی جملے میں۔ شوخ و شریر لہجہ بہت کچھ باور کروا گیا۔ مشال نے ایک نگاہ اس پر ڈالی مگر اگلے ہی لمحے بازو چھڑا کر بھاگی۔
"مشال! یہ سب نہیں چلے گا شرافت سے واپس آجاؤ۔"
"اگر نہ آؤں تو......" آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔
"پھر تمہاری ایسی کی تیسی۔"
ایک ہی جست لگا کر وہ اس تک پہنچا۔
مشال جو فرار ہونے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اس کے انتہائی قریب ہونے پر یکدم بوکھلا گئی۔
"اب بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں؟"
"عید مبارک۔"
محبت پاش نظروں سے کنفیوژ ہو کر جھٹ سے وہ بولی۔
سالار چند لمحے ان جھکی پلکوں کو دیکھتا رہا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے اور اس کے گرد بھرپور حصار قائم کر لیا۔ ان کے چاروں طرف جگنوؤں کی کہکشائیں جھلملا رہی تھیں۔ تتلی کے رنگوں سے فضا مسکرا رہی تھی کیونکہ ان کے چاروں طرف خوشبو وفا کی تھی۔

☆☆☆